لا اله الا الله محمد رسول الله

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

یعنی

اردو رسالہ

ریویو آف ریلیجنز

قادیان سے ہر انگریزی ماہ کی پانچ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

نمبر ۵ | ۵ ۔ مئی ۱۹۳۷ء | ایڈیٹر قاضی محمد ظہور الدین اکمل | ۲۳ صفر المظفر ۱۳۵۶ھ | جلد ۳۶

فہرست مضامین

الجہاد فی الاسلام — مولانا "ابن عمر" — ۱۵۳ / ۱۷۳

سوالات اور ان کے جوابات
مغربی افریقہ میں مسلمانوں کی تعداد — ۱۷۳ / ۱۷۶

ہندوستان میں اشاعت اسلام
ہندوستان کی آئینی ترقی کی تاریخ — ۱۷۷ / ۱۹۲

جزائر

اندرون ہندسے تین روپیہ سالانہ | مستحق طلباء اور غیر احمدیوں سے ۲/۸ | بیرون ہندسے تین روپیہ آٹھ آنے

گفتہ گفتہ من شدم بسیار گو
از شما یک تن نہ شد اسرار جو

احباب کرام! میں کب تک یہ شکوہ کرتا چلا جاؤں گا کہ آپ کی توجہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک کی واحد یادگار رسالہ ریویو آف ریلیجنز کی طرف نہیں ۔ میں آپ صاحبان کو ہر مہینے اپنی بلاناغہ متعدد اپیلوں میں بتا چکا ہوں کہ رسالہ کے خریدار اتنے کم ہیں کہ مجھے ان کی تعداد بتاتے بھی شرم آتی ہے۔ اب تک جس طرح بھی بن پڑا میں سنہ ۲۱ء سے لیکر اب تک رسالہ کا ہر نمبر ٹھیک وقت پر شائع کرتا رہا ہوں۔ لیکن اب ایسی صورت حال درپیش ہے کہ میرے لئے محال ہو رہا ہے کہ اس کی کتابت طباعت اور کاغذ و ٹکٹ کا انتظام بھی کر سکوں۔ قیمت کی وصولی کے لئے اکثر خریداروں کا دو سال تک انتظار کیا۔ ان کے وعدوں کا اعتبار کیا۔ اور اس طرح پر ایک ہزار روپے سے زیادہ بقایا ہو گیا باقی جو خریدار ہیں ان سے اگر چندہ وصول بھی ہوتا ہے تو سال میں دو تین مرتبہ وی پی کر کے۔ یعنی دس بارہ آنے گرہ سے خرچ کر کے حالانکہ کئی بار عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ وی پی سسٹم طرفین کے لئے موجب نقصان ہے اگر منی آرڈر کے ذریعے چندہ بھیجدیا جائے۔ تو صرف دو آنے خرچ ہوتے ہیں خواہ وہ ہمارے چندے سے وضع کر لئے جائیں۔

اپنی طرف سے میں نے کوشش کی ہے۔ کہ اچھے سے اچھے مفید سے مفید۔ ٹھوس علمی موجب ازدیاد ایمان و عرفان و معلومات مضامین شائع کرتا رہوں۔ لیکن یہ میرے بس کی بات نہیں کہ دیگر اخراجات طبع و ترسیل بھی اپنی گرہ سے ادا کروں۔ آپ صاحبان کو اس بارے میں کوئی فیصلہ کرنا چاہیئے۔ اگر چند باہمت نوجوان یا جواں ہمت بوڑھے ہر ایک مقام کی جماعت سے کھڑے ہو جائیں اور ہر احمدی کے گھر پر حاضر ہو کر دریافت کریں کہ آپ رسالہ ریویو اردو کے کیوں خریدار نہیں یا اس کا واجب کیوں ادا نہیں کرتے۔ اور ان پر زور دیں کہ وہ ضرور اس عہد مبارک کی یادگار کو زندہ رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ کم از کم ایک ہزار خریدار نہ ہو جائے جو موجودہ حالات میں رسالہ چلانے کے لئے کافی ہوگا۔ میں آپکے جواب کا منتظر ہوں کہ اسی پر آئندہ کارگذاری کی بنیاد ہے امید ہے میری توقع جو جماعت احمدیہ کے ایثار و بذل مال و جوش دعوۃ و تبلیغ کے متعلق ہے ضرور ہی پوری ہوگی۔ واللہ الموفق ؛

(مینجر ریویو اردو۔ قادیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

الجہاد فی الاسلام

(گذشتہ سے پیوستہ)

(نمبر ۲)

چند مثالیں

قرآن مجید کے یہ احکام بے جان و بے اثر ثابت نہیں ہوئے بلکہ انہیں زیر عمل لایا گیا۔ خواجہ یثرب اور آپؐ کے صحابہؓ ہمیشہ انپر عمل پیرا رہے اور انہوں نے پورے زور کے ساتھ ان کی متابعت اور پیروی کی۔ خواہ اس میں انہیں مالی خسارہ سے ہی کیوں نہ دو چار ہونا پڑا ہو۔

مدینہ میں طلوع اسلام سے قبل اس کے دو مشرک قبائل اوس و خزرج میں یہ ذلیل کن اور مبنی بر توہمات رسم شائع و متعارف تھی کہ اگر کوئی شخص لمبا عرصہ تک اولاد کی نعمت سے محروم رہا ہو تو وہ یہ منت مانتا تھا کہ اگر اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو جائے تو وہ اسے یہودی بنا دیگا۔ بنو قریظہ کے لئے جب ان کی پیہم غداریوں اور عہد شکنیوں کے باعث مدینہ سے اخراج کا حکم صادر ہوا تو انہوں نے ان لڑکوں کو بھی ساتھ لیجانے پر اصرار کیا جنہیں اوس و خزرج نے اپنی مذکورہ بالا منتوں کے پورا کرنے کے لئے ان کے سپرد کیا تھا اوس و خزرج جو اب اسلام لا چکے تھے اس پر سخت متالم اور اندوہ گین ہوئے کہ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے بچے لئے جائے جا رہے ہیں۔ انہوں نے چاہا کہ یہود کو بہر طور اس حرکت سے باز رکھا جائے، خواہ اس کے لئے جبر و تشدد سے ہی کیوں نہ کام لینا پڑے، اس پر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا کہ بچوں کو انکے حقیقی والدین اپنے پاس رکھیں یا وہ اپنے خواندہ باپوں کے ساتھ رہیں۔ غرض حالات نہایت نازک ہو گئے۔ اِدھر مسلمان یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے بچے ان کی آنکھوں کے سامنے جبکہ ان کی رگوں میں غلبہ و قوت کا خون بھی جوش مار رہا ہے جلا وطنی کے لئے یہود کے ساتھ چلے جائیں۔ ادھر یہود ان بچوں کو ساتھ لیجانے پر بھی ویسے ہی مُصر تھے، پھر قرآن مجید دین و مذہب کے معاملہ میں کسی جبر و اکراہ کی اجازت نہیں دیتا اس میں لا اکراہ فی الدین کا واضح اور درخشاں حکم موجود تھا۔ آخر بچوں کو انتخاب کا

حق دیا گیا، اور انہیں اجازت دی گئی کہ اگر وہ پسند کریں تو یہود کے ساتھ جا سکتے ہیں، اور ان کی خاطر انہیں اپنا، مذہب بدلنے کی ضرورت نہیں، مذہب کی تمامتر تاریخ اس وسیع حوصلگی، بردباری اور سہل انگاری کی مثال پیش کرنے سے حتماً عاجز و قاصر ہے، یہ نوجوان بچّے اوس و خزرج کے جگر پارے تھے اور ادھر یہودی قبیلہ بنی نضیر تمامتر مسلمانوں کے رحم و کرم پر تھا، اگر مسلمان چاہتے تو یہ متبنّےٰ تو کیا خود حقیقی بچوں کے ساتھ انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کر سکتے تھے یہ ان کے مذہب و اصول کے خلاف ہوتا۔ اور پھر یہود کے سلئے صرف یہی روا نہیں رکھا گیا کہ وہ اپنے تمامتر ساز و سامان کے ساتھ بامن و امان مدینہ سے چلے گئے بلکہ انہیں اس بات کی بھی اجازت دی گئی کہ اپنے ساتھ اوس و خزرج کے جگر پاروں کو بھی لیجائیں، ذیل کی حدیث میں اسی واقعہ کو بیان کیا گیا ہے :۔

فلما اجلیت بنو نضیر کان فیھم من ابناء الانصار فقالوا لا ندع ابنائنا فانزل اللہ تعالےٰ لا اکراہ فی الدّین ..... الخ (ابوداؤد کتاب الجہاد)

عن مجاھدٍ قال کان ناس من الانصار مسترضعین فی قریظۃ فثبتوا علی دینھم فلما جاء الاسلام اراد اھلوھم ان یکرھوھم علی الاسلام فنزلت لا اکراہ فی الدّین (در منثور)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔

عن ابن عباس فی قولہ لا اکراہ فی الدّین قال نزلت فی رجل من الانصار من بنی سالم ابن عوفٍ یقال لہ الحصین۔ کان لہ ابنان نصرانیانِ وکان ھو رجلا مسلما فقال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم الا استکرھھما فانھما قد ابیا الا النصرانیۃ فانزلہ اللہ تعالیٰ فی ذالک۔ (در منثور)

غرض اس بے مثال مذہبی تحمل و بردباری کے ہوتے ہوئے یہ ناقابل تصوّر ہے کہ کبھی اسلام تعصب اور عدم احتمال کا بھی مرتکب ہُوا ہو۔ امور مذہبی میں مسلمانوں کے تحمل اور وسیع حوصلگی کی یہ منفرد مثال نہیں۔ اسبق حضرت عمرؓ کا ایک عیسائی غلام ہمیں بتلاتا ہے۔ کہ:۔

عن اسبق قال کنت فی دینھم مملوکا نصرانیا لعمر بن الخطاب فکان یعرض علیّ الاسلام فابیت فیقول لا اکراہ فی الدّین و یقول یا اسبق لو اسلمت لاستعینک علی بعض امور المسلمین ..... فلما حضرتہ الوفاۃ اعتقنی فقال اذھب حیث شئت۔ (در منثور)

ایسی مثالوں کی فہرست جن پر اسلام کو بجا طور پر فخر ہے۔ مندرجہ فوق دو واقعات کے بیان پر

ہی تمام نہیں ہو جاتی ۔ اسی طرز کی ایک اور مثال لیجئے :۔

عن اسلم قال سمعت عمر ابن الخطاب یقول لعجوز نصرانیۃ اسلمی تسلمی فابَتْ فقال عمر اللھم اشھد ثم تلی لا اکراہ فی الدین ۔

اپنے ذہنوں میں نقشہ رکھیئے ، حضرت عمرؓ کا دنیا کے عظیم الشان دَور میں بادشاہوں میں سے ہیں ۔ ایک مسیحی غریب بُڑھیا سے اسلام قبول کرنے کے لئے التماس کر رہے ہیں کہ اس سے اسے ذہنی تسکین وطمانیت اور روحی نجات مل جائیگی اور وہ سال خوردہ بُڑھیا بعد استغناء اس پیشکش کو ٹھکرا دیتی ہے اور وہ باجلال و پُرشوکت خلیفہ اپنے تئیں بے بس پاکر پروردگار کو گواہ ٹھیراتا ہے کہ اس نے اپنے فرض کو ادا کر دیا ۔ اور پھر بتلائیے کہ کیا اسلام کی سلامت روی اور بے لوثی کی طرف یہ منسوب کرنے سے بھی بڑھ کر کسی جسارت آمیز شناعت اور بُرائی کا ارتکاب کیا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنی نشر و اشاعت کے لئے جبر و اکراہ کی اجازت دی ہے ؟

یہ واقعہ صرف یہی نہیں بتلاتا کہ خلفاء النبیؐ کے عہد سعادت میں کامل مذہبی آزادی کا دَور دَورہ تھا بلکہ یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ مسلمان حاکم اور ان کی غیر مسلم رعایا کے درمیان گہرے قلبی تعلقات تھے ، اور ان کی یہ رعایا اپنے مذہبی اور سیاسی حقوق سے کامل باخبر اور پورے طور پر متمتع ہوتی تھی ۔ مشہور فقیہ اور مفسر قرآن ابن کثیر اپنی مشہور عالم تفسیر میں آیت قرآنیہ لا اکراہ فی الدین کی یوں تشریح فرماتے ہیں :۔

لا تکرھوا احدًا علی الدخول فی الدین الاسلام فانہ بیّن واضح جلی دلائلہ وبراھینہ لا احتیاج الی ان یکرہ احد علی الدخول فیہ بل من ھداہ اللہ للاسلام وشرح صدرہ ونوّر بصیرتہ دخل فیہ علی بینۃ ومن اعمی اللہ قلبہ وختم علی سمعہ وبصرہ فانہ لا یفیدہ الدخول فی الدین مکرھا مقسورا ۔ (ابن کثیر)

ایک ویسے ہی دوسرے محقق علامہ جار اللہ زمخشری اپنی تفسیر الکشاف میں اسی آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

لم یجر اللہ امر الایمان علی الاجبار والقسر ولکن علی التمکن والاختیار ونحوہ قولہ ولو شاء ربك لآمن من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین ای لو شاء لقسرھم علی الایمان ولکن لم

یفعل و یخَلّی الامر علی الاختیار۔

ابن کثیر و زمخشری کی پیش کردہ ان تشریحات کی قرآن مجید کی بہت سی دیگر آیات سے بھی تائید ہوتی ہے اور اسی حقیقت کے پیش نظر کہ امر بے حد اہم ہے ہم چند اور ایسی آیات قرآنیہ درج کرتے ہیں۔ کہ اسلام نے اپنے عقایدکے پھیلانے کے لئے جبر و تشدّد کی حمایت کی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

لعلك باخع نفسك الا یکونو امؤمنین ان نشاء ننزل علیھم من السماء اٰیة فظلت اعناقھم لھا خاضعین۔

اس ذکر میں کہ یہ مومن کیوں نہیں ہوتے تو اپنی جان ہلکان کررہا ہے اگر ہم چاہیں تو ایسا نشان آسمان سے اُتار دیں کہ انکی گردنیں جُھک جائیں (مگر یہ جبر ہوگا)

۲۔ فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔

۲۔ پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کردے ؛

۳۔ فذکّر فانما انت مذکر لست علیھم بمصیطر۔

۳۔ تُو صرف وعظ و تذکیر کرنیوالا ہے انپر داروغہ نہیں ؛

۴۔ انك لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء وھو اعلم بالمھتدین۔

۴۔ تُو اس کو ہدایت نہیں دے سکتا جسے تو پسند کرے بلکہ اللہ تعالیٰ جو ہدایت کو چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے ؛

۵۔ فمن اھتدی فانما یھتدی لنفسه ومن ضل فانما یضل علیھا وما انا علیکم بوکیل۔

۵۔ پس جو ہدایت پانا چاہے تو وہ اپنی ذات کے لئے ہدایت کا انعام پاتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو اپنی ذات پر وبال ضلالت اٹھاتا ہے؛

۶۔ لا اکراہ فی الدّین قد تبیّن الرشد من الغیّ۔

۶۔ دین میں کسی قسم کا جبر و اکراہ نہیں۔ ہدایت گمراہی سے الگ روشن و نمایاں ہوچکی ہے ؛

الزام تعصّب

اسی تسلسل میں قرآن مجید کی بہت سی اور آیات بھی باسانی مضاعف کی جاسکتی ہیں جو بتلاتی ہیں کہ اسلام کے پھیلانے میں جبر و شدّت کی نہ صرف یہ کہ حوصلہ افزائی ہی نہیں کی گئی بلکہ جبر و اکراہ کے جنگ جویانہ جذبہ کو پوری طرح توڑا اور کچلا گیا ہے، قرآن مجید کی کوئی آیت یا رسول مقبولؐ خلفاء راشدینؓ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی زندگیوں کا کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں پیش کیا جاسکتا جس سے ثابت ہوسکے کہ اسلام کے پھیلانے میں مکر و فریب یا جبر و تشدّد کی خفیف ترین حمایت بھی کی گئی۔ خواجہ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہت سے ایسے مواقع آئے آپؐ اگر چاہتے تو بجبر و تشدد ان لوگوں کو دائرہ اسلام میں لاسکتے تھے جو حمایت

وحفاظت کے جویا ہوتے۔ لیکن آپؐ سے کبھی ایسا نہیں ہوُا۔ اور اگر آپ رسول خدا اور مامور الٰہی نہ بھی ہوتے بلکہ آپؐ کی حیثیت ایک جنگجو کی ہوتی جو زور واقتدار کو لیکر ایک عظیم اور مقتدر مملکت کی تاسیس وتعمیر کے لئے اُٹھا ہو، تب بھی آپ لوگوں کو مجبور نہیں کر سکتے تھے، کہ وہ اپنی قسمتوں کو آپ سے وابستہ کر دیں۔ کیونکہ یہی لوگ جن کا اخلاص وطاعت ابھی مشکوک ہے آپؐ کا ساتھ اس پہلی شکست ہی میں چھوڑ دیتے جو آپؐ کو مخالفین کی طرف سے پہنچتی۔ لیکن وہ لوگ جن کے متعلق مسیحی مصنّفین کا قول ہے کہ انہیں ان کی منشاء ومرضی کے خلاف بہ جبر مسلمان بنایا گیا۔ ہر حالت عسر ویسر میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو بہ پہلو رہے آپؐ کے ساتھ اور آپؐ کی خاطر جور وجفا ظلم وجبر، فقر وفاقہ کی تمامتر سختیاں بصد شوق وذوق برداشت کیں، تاریخ عالم اس اخلاص، اور اس فداکاری کی مثال پیش کرنے سے عاجز وقاصر ہے جس کا نمونہ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری میں دکھایا۔ حضور علیہ السّلام کے صحابہؓ کا صرف یہ اخلاص یہ ایثار یہ بے نفسی اور یہ فداکاری ہی اس شر انگیز صداقت زیر الزام کی تردید وتکذیب کے لئے کافی ووافی ہے، کیا اسلام کو فداکاری، بے نفسی، راستی، ثبات وفاداری اور صمیمت کے یہ قابل صد ستائش نمونے نوک شمشیر سے حاصل ہوئے تھے؟ اس سے زیادہ جاہلانہ اور بے بنیاد اتّہام کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا ✤

صلح حدیبیہ

اسلام سراسر ایک صلح وآشتی کا مذہب ہے، اس کے تمامتر اصول اور تعلیمات کا مفاد یہی ہے کہ امن وصلح کا ایک ایسا ماحول پیدا کیا جائے جس میں سب لوگ رائے کی کامل آزادی سے متمتع ہو سکیں، اور جس میں انہیں ہر اس مذہب کے قبول کرنے کی اجازت ہو جو ان کی عقل وضمیر کو اپیل کرے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ماحول پیدا کرنے کے بیحد متمنی تھے، اور جنگ، اس میں تو حضور علیہ السّلام کو بدرجہ مجبوری شامل ہونا پڑا۔ لیکن پھر بھی اثناء جنگ میں جب کبھی آپؐ کو ایسی فضا کے پیدا ہو سکنے کے بعید ترین مواقع بھی نظر آئے انہیں اپنے ہاتھ سے نہیں کھویا ہر چند کہ اس کے لئے آپ کو کھُلے طور پر توہین آمیز شرائط بھی تسلیم کرنا پڑیں۔ ایسا ہی ایک موقع سنہ ہجری کے چھٹے سال میں پیش آیا جب آپؐ ایک رؤیا کے مطابق چودہ سو صحابہؓ کی معیت میں ادائیگی عمرہ کے لئے تشریف لے گئے اور صلح حدیبیہ تکمیل پذیر ہوئی، شاید وقائع اسلامی میں اس سے روشن اور درخشندہ تر اور کوئی واقعہ نہیں۔ اس کی چند شرائط درج ذیل ہیں:-

۱۔ مسلمان اس سال واپس لوٹ جائینگے ✤

۲ - دوسرے سال مکّہ میں آسکتے ہیں لیکن انہیں تین دن سے زیادہ قیام کی اجازت نہ ہوگی ؛

۳ - ضرور ہے کہ مکّہ میں داخلہ کے وقت اور دوران قیام میں مسلمان اسلحہ سے تہی دست ہوں، ہاں بانیام تلوار کی اجازت ہوگی ؛

۴ - کسی مسلمان کو جو مکّہ کا باشندہ ہو مدینہ نہیں لیجایا جائیگا اور اس کے برعکس اگر کوئی مدینہ کا رہنے والا مکّہ کی رہائش پسند کرے تو اسے واپسی پر مجبور نہیں کیا جائیگا ؛

۵ - اگر کوئی غیر مسلم مکّہ سے مدینہ چلا جائے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اسے واپس کردیں لیکن اگر کوئی مسلمان مکّہ آجائے تو اسے واپس نہیں کیا جائیگا ؛

صلح کی یہ شرائط بظاہر ایسی تھیں کہ صحابہؓ جو اس سے قبل کبھی حضور علیہ السّلام کے اقوال و افعال کے متعلق شک و شبہ میں نہیں پڑے تھے بہت مضطرب و پریشان ہوئے، حتّٰی کہ فاروق اعظمؓ جیسے انسان نے بھی آپؐ سے تعرض کیا یہ بظاہر اہانت انگیز صلح یہ رسوا کن معاہدہ یہ تمام بین الاقوامی معاہدات میں بے مثال پیمان بغیر کسی شک و شبہ کے ثابت کرتا ہے کہ

اوّل :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اثر و نفوذ کو خطرہ میں ڈال کر بھی کوشش کی کہ عرب کا امن و امان بحال ہوجائے ؛

دوئم :- حضور علیہ السّلام یقیناً اس بات کو سمجھتے تھے کہ اسلام کے پھیلانے کے لئے پُر آشوب ماحول سے زیادہ امن و امان کی فضا مناسب ہے ؛

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ یقینی اعتماد کہ اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے امن و امان کا ماحول زیادہ مفید ہے کچھ بے بنیاد و بے اصل نہ تھا۔ اسلام کی سابقہ انیس (۱۹) سالہ ترقی اس سے زیادہ نہ تھی جو اس نے صلح حدیبیہ کے بعد کے دو برسوں میں حاصل کی اور پھر جسے کفار کی عہد شکنی نے کچھ وقت کے لئے روک دیا ؛

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام

معاہدہ کی خلاف ورزی نے جنگ و جدال کی پھر تجدید کردی آخر مکّہ ہاں وہی مکّہ جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضورؐ کے صحابہؓ کو جفا کار کفار کا بے باکانہ اور وحشیانہ سلوک برداشت کرنا پڑا تھا۔ جہاں سے حضورؐ نے اپنی جان کی حفاظت کے لئے ہجرت فرمائی تھی، اور جس کی گلیوں میں معصوم و بے گناہ مسلمانوں کا ناحق خون بہایا گیا تھا آج حضور علیہ السّلام کے قدموں میں تھا۔ لیکن کیا اس شان و شکوہ کے اوقات میں اپنی میانہ روی اعتدال، علو طبع اور جود و سخا کو آپ بھول گئے ؟ کیا آپؐ نے کوئی انتقام لیا ؟ کیا آپؐ نے اب جبکہ کفار مکّہ

کُلیتہً آپؐ کے رحم و کرم پر تھے اپنا مذہب ان سے بہ جبر منوایا؟ نہیں اس وقت جلا وطنوں کی کوئی فہرست تیار نہیں کی گئی، غارتگری نہیں ہوئی، شہر کو تاراج نہیں کیا گیا اور کوئی شہوانی اور فاجرانہ انتقام نہیں لیا گیا، ہر شخص جو اپنے گھر کے کواڑوں کو بند کر کے امن سے بیٹھ رہا محفوظ و مصئون تھا، چند سال پیشتر جنگ بدر میں ایک بڑی تعداد قیدیوں کی ہاتھ لگی تھی ان کے اخراجات کی زیادتی چاہتی تھی حالات کی نزاکت اور اسلامی حکومت کی ہدایت کا اقتضا تھا، فاروق اعظم جیسے انسان کی رائے تھی کہ انہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ لیکن کیا رسول کریمؐ (فداہ جسمی و روحی) نے عمر فاروقؓ کی رائے کو تسلیم کر لیا؟ کیا اس وقت جبکہ ان سب کی جانیں آپؐ کی مُٹھی میں تھیں بہ جبر ان سے اپنا مذہب منوایا؟ نہیں آپؐ نے ان میں سے ایک بات بھی نہیں کی بلکہ اس کے برعکس حضور علیہ السّلام نے سخت تاکیدی احکام صادر فرمائے کہ ان سے کمال مروّت و شفقت، شائستگی اور رحم دلی کا سلوک کیا جائے اور ان کے بدقسمت متعلقین کا احترام اور ان سے مراعات ملحوظ رکھی جائیں، ولیم میور ان قیدیوں میں سے ایک کے الفاظ یوں درج کرتا ہے کہ "کیا ہی مبارک تھے مدینہ والے کہ انہوں نے ہمیں سواریاں دیں جبکہ وہ خود پیدل چلے ہمیں نان گندم دیا جبکہ خود انہیں اس کی ضرورت تھی اور خود کھجوروں پر گذر کیا" غزوہ حنین کے بعد جب آپؐ عرب کے واحد، مُسلم اور بے نقص و جدال بادشاہ تھے آپ نے بنو مصطلق کے چھ سو (۶۰۰) قیدیوں کو آزاد کر دیا جبکہ وہ آپؐ پر ناحق حملہ آور ہو کر اپنا یہ استحقاق کھو بیٹھے تھے، اگر حضورؐ چاہتے تو ان زندانیوں کو مجبور کر سکتے تھے کہ حلقہ بگوش اسلام ہوں، لیکن حضور علیہ السّلام نے ایسا نہیں کیا، حضورؐ کی زندگی ایسے درخشاں واقعات سے معمور ہے کہ آپ افتادہ اور سرنگوں دشمن سے بھی رافت و شفقت سے پیش آئے اور قبل اس کے جو وہ سوالی بنکر آئیں ان سے عفو و کرم کا سلوک کیا۔ یہ وہ عظیم الشان اور جلیل القدر انسان ہے جس کے متعلق مسیحی مصنّفین کہتے ہیں کہ اس کے اوامر احکام کے امتثال اور اس کے اسوہ کی پیروی کرتے ہوئے اس کے متبعین نے معصوم، بے گناہ اور لاچار انسانوں کو مذہب کے نام پر تہ تیغ کیا اور مغلوب و افتادہ دُشمنوں کو مجبور کیا کہ موت یا اسلام میں سے کسی ایک چیز کو قبول کر لیں۔ اور جس نے اپنے بعد وہ مذہب چھوڑا جو مذہب کے لئے تیغ و سناں کے استعمال کو مستحسن اور پسندیدہ جانتا ہے، کیا ظلم و اعتساف اور اندھے تعصب کی حدود اس سے بھی پرے ہیں؟

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین آزادی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے زمانہ ہی کے متعلق اتنا تردد نہیں تھا کہ دائرہ اسلام میں لانے کے لئے ترغیب و ترہیب کے وسائل اختیار نہ کئے جائیں بلکہ قرآن مجید کے منصوص،

واضح اور ناقابل انکار احکام و اوامر کے علاوہ احادیث میں بھی اس مطلب کی مستقل ہدایات چھوڑی ہیں کہ غیر مسلموں کے مذہبی احساسات و عواطف کا کامل احترام کیا جائے ایسے فرامین آزادی جو حضور علیہ السلام نے عیسائیوں، یہودیوں اور زرتشتیوں اور بت پرستوں کو عطا فرمائے حضورؐ کی ذاتی اور اس نظام دینی کی وسعت قلبی اور وسیع حوصلگی کی قائم و دائم شہادتیں ہیں جسکی بنیاد حضورؐ نے رکھی۔

یہود سے معاہدہ

ابن ہشام کی روایت کے مطابق اہل مدینہ سے جو معاہدہ حضورؐ نے کیا وہ درج ذیل ہے:-

"یہ وہ معاہدہ امن ہے جو محمد رسول اللہ مسلمانوں کو خواہ وہ قریش ہوں یا اہل مدینہ۔ اور نیز ہر مذہب و ملت سے قطع نظر ان تمام لوگوں کو عطا کرتے ہیں جو آپؐ کے اور آپؐ کے خلفاءؓ کے ساتھ بامن و آشتی رہنے کا پیمان کریں۔ صلح و جنگ کے قوانین تمام مسلمانوں پر یکساں عائد ہونگے۔ اور کوئی مسلمان ذاتی ذمہ داری پر مخالفین اسلام سے صلح و جنگ کرنیکا مجاز نہیں ہوگا۔ اور ہر طور کی ذلت و اہانت اور زجر و توبیخ سے ان یہود کی حفاظت کی جائیگی جو ہمارے سایہ عاطفت میں رہیں گے، اور مسلمانوں سے مادیانہ طور پر ان کی مدد اور ان سے سلوک کیا جائیگا۔ بنو عوف، بنو نجار، بنو حارث، بنو اوس مصطلق یہود اور مدینہ کے دوسرے باشندے اور سب مسلمان ایک ملت واحدہ بنائینگے، اور سب کو اپنے مذہبی امور میں کامل آزادی حاصل ہوگی، اور وہ لوگ بھی جن سے دوستداری کا معاہدہ ہوچکا ہوگا یا زیر حفاظت ہونگے انہی حقوق سے متمتع ہونگے جو یہود کو عطا کئے گئے ہیں۔ دفاع مدینہ میں یہود مسلمانوں کے معاون و مددگار ہونگے، اور ان سب لوگوں کی جو اس میثاق میں شامل ہونگے حفاظت کی جائیگی، یہود کے ہوا خواہوں اور دوستوں سے بھی یہود ایسا معاملہ ہی کیا جائیگا۔ تمام حقیقی مسلمان گناہ گاروں، تفرقہ پسندوں اور باغیوں سے کوئی علاقہ نہیں رکھیں گے اور او رمجرم کی حمایت کرینگے خواہ ان کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ ان سب کے اختلافات و مناقشات کا فیصلہ جو اس معاہدہ میں شریک ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے"۔

فرمان حریت جو تمام عیسائیوں کو عطا کیا گیا

وہ فرمان آزادی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل اوّل عبرانی عیسائیوں کو عطا فرمایا تھا بعد میں ممالک اسلامی کے تمام عیسائیوں تک وسیع کردیا گیا۔ اور ذیل میں ہم اسے درج کرتے ہیں:-

" یہ دستاویز ہے جو محمدؐ بن عبداللہ رسول خدا بشیر و نذیر نے اس لئے تحریر کروائی ہے تا بعد میں آنے والوں کے لئے بہانہ جوئی کا کوئی سامان نہ رہے، ہم نے اسے ان مسیحیوں کے لئے تحریر کروایا ہے جو مشرق و مغرب کے باشندے یا دُور و نزدیک کے رہنے والے ہیں، خواہ ان کا تعلق ہمارے زمانہ سے ہے یا وہ بعد میں آنے والے ہیں، ہم ان سے آشنا ہوں یا نہ ہوں، غرض یہ سب کے لئے ہے۔ اگر کوئی مسلمان خواہ راعی ہو یا رعایا ان احکام و اوامر کی خلاف ورزی کریگا جو اس میں ترتیب دیئے گئے ہیں تو وہ خدا کے عہد نامہ کو توڑنے والا ٹھیریگا، عہد شکن قرار پائیگا، اور خدا کی لعنت کا سزاوار ہوگا ؞

میں عہد کرتا ہوں کہ اگر کوئی راہب اور ابن السبیل یا ایسا ہی کوئی اور فرد پہاڑوں، جنگلوں، صحراؤں اور آبادیوں میں غرض جس جگہ بھی میری مدد کا خواستگار ہوگا تو میں اپنے تمام دوستوں اور مددگاروں اور رشتہ داروں کے ساتھ اس کی امداد کراؤں گا۔ اور میری پناہ ان سب تک وسیع ہوگی۔ اس لئے کہ وہ میری رعایا یا میرے معاہدہ میں ہونگے، اور میں ایسی امداد کا ہاتھ ان سب تک بڑھاؤں گا جو میرے معاہدے میں آئیں گے، اور ان کے دشمنوں سے اُن کی مدافعت کروں گا اور ہر تکلیف سے انہیں بچاؤں گا۔ اور اس کے بدلہ میں وہ مجھے صرف جزیہ ادا کرینگے ؞

اگر وہ اپنے جان و مال کی حفاظت خود کرنا چاہیں گے تو انہیں اس کی اجازت ہوگی اور اس وجہ سے انہیں کوئی دُکھ و تکلیف نہ دی جائیگی، کسی بشپ کو اس کے کلیسیا، کسی راہب کو اس کے راہب خانہ اور کسی عابد پادری کو اس کی صومعہ سے علیحدہ نہیں کیا جائیگا۔ سب کو مقامات مقدسہ کی زیارت کی کامل آزادی ہوگی، ان کے گرجے اور عبادتگاہیں برباد اور ویران نہ کی جائیں گی۔ ان کے گرجوں کا سامان مساجد یا مسلمانوں کے مکانات بنانے میں استعمال نہ ہوگا۔ جو مسلمان اس معاہدہ کے خلاف ورزی کریگا وہ خدا و رسول کا نافرمان ٹھیریگا۔ راہبوں اور پادریوں سے خواہ وہ پہاڑوں میں رہیں یا دریاؤں میں مشرق و مغرب میں رہیں یا شمال و جنوب میں جزیہ وغیرہ نہیں لیا جائیگا۔ بخدا وہ میرے میثاق میں ہیں اور وہ ہر تکلیف و زحمت سے وہ مامون رہیں گے، ان میں سے جو پہاڑوں یا اوقات گاہوں میں کنارہ کش ہو جائیں گے ان کی مزروعہ زمینوں سے عشر یا اور کسی قسم کا ٹیکس نہیں لیا جائیگا، اور ایام قحط میں بھی وہ غلہ وغیرہ سے امداد و اعانت کرنے کے لئے

مجبور نہیں کئے جائینگے، نہ ان سے جنگی خدمات لی جائیں گی۔ نہ ہی جزیہ وصول کیا جائیگا پھر عام طور پر مالیہ کی وصولی میں سختی و شدت کا برتاؤ نہیں ہوگا، مذہبی مناقشات اور جھگڑوں میں ان سے نرمی و رافت سے گفتگو کی جائے گی، چاہیئے کہ ان سے ہر جگہ بے پایاں شفقت و رافت کا سلوک ہو اور زحمت و کلفت سے انہیں بچایا جائے، اور جو اس میثاق الٰہی کو توڑیگا اور اس سے مختلف رویہ رکھیگا تو وہ خدا کا دشمن اور اس کے عہدنامہ کو توڑنے والا ٹھیریگا۔ ان کے گرجوں کی مرمت کیلئے ہر ممکن امداد دی جائیگی۔ اسلحہ بندی سے یہ آزاد ہیں مسلمان ان کی حفاظت کرینگے، چاہیئے کہ اس دستاویز کی تاقیامت مخالفت نہ کی جائے۔" [1]

زرتشتیوں سے معاہدہ

"یہ فرخ بن شاکسان برادر سلمان اس کی اولاد اور تمام ذریت کے نام محمد رسول اللہؐ کا مکتوب ہے، خواہ وہ مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر رہیں یہ میری طرف سے فرخ بن شاکسان اور اس کی ذریت کے نام نامہ امن ہے، چاہے وہ کہیں بھی بود و باش رکھیں وہ اپنی ملکیت کے کنوؤں اور چراگاہوں کے کھلے اور بے روک استعمال کے حق دار ہیں، ان سے کسی نوع کی بدسلوکی نہیں کی جائیگی، اور جن کے سامنے میرا یہ خط پڑھا جائے ان سب کا فرض ہے کہ وہ فرخ بن شاکسان اور اسکی ذریت کی حفاظت کریں، اور انہیں ہر فعل و عمل کی کامل آزادی دیں اور انہیں تکلیف و دکھ پہنچانے سے دوسروں کو روکیں اور کسی طرح بھی ان کی تذلیل و اہانت نہ ہونے دیں۔ میں ان کے داڑھی منڈوانے اور زنار پہننے کی مخصوص عادات سے اغماض کرتا ہوں اور ہر قسم کے ٹیکس اور ان کی ذمہ داریوں سے وہ آزاد کئے جاتے ہیں وہ پہلے کی طرح بے روک ٹوک اپنے مقدس مقامات اور ان سے متعلقہ جاگیروں اور زمینوں کے مالک ہونگے انہیں اعلیٰ اور بھڑکیلے لباسوں کے پہننے گھوڑوں پر سوار ہونے عمارتوں اور اصطبلوں کے بنانے اور تمام مذہبی رسوم کے ادا کرنے کی کھلی اجازت ہوگی، یہ تمام دیگر غیر مسلموں سے بہتر سلوک کے مستحق ہونگے۔ چاہیئے کہ میرے اس عہدنامہ کی خلاف ورزی نہ ہو، جو میں سلمان کے ہم مذہبوں کے لئے پیچھے چھوڑے جاتا ہوں، (حضرت سلمان نعمت اسلام سے متمتع ہونے سے قبل زرتشتی تھے) خواہ وہ اسلام قبول کرلیں یا اپنے مذہب پر رہیں جو بھی میرے ان احکام کی فرمانبرداری کریگا خدا کی رحمتیں اس پر نازل ہونگی، لیکن جس سے نافرمانی کا ارتکاب ہوگا خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ تا ابد ملعون ٹھیرایا جائیگا۔ جو ان سے

[1] فتوح البلدان بلاذری

بھلائی کریگا وہ مجھ سے بھلائی کریگا اور خدا اسے اجر دیگا۔ اور جو انہیں اذیت پہنچائیگا
وہ مجھے اذیت پہنچائیگا۔ اور "روز باز پرس" تک میں اس کا دشمن ہونگا اور جہنم کی
آگ اس کا انعام ہوگی اور خدا کے حضور میری شفاعت سے وہ محروم رہیگا"۔ [1]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ دوسرے بہت سے امور کی طرح اس خصوص میں بھی اپنے متبعین میں سرایت کر گیا، یہ بتلانے کے لئے کہ احکام قرآنی اور اوامر نبوی کے پیش نظر مسلمانوں کو غیر مسلموں کے مذہبی جذبات و عواطف کا کس قدر خیال رہتا تھا ہم ذیل میں وہ معاہدہ درج کرتے ہیں جو الجابیہ مقام پر ہؤا اور جس پر یروشلم مسلمانوں کے حوالے کیا گیا [2] اس ضمن میں یہ بیان کرنا بھی بے موقعہ نہ ہوگا کہ عمر فاروق مسیحی بطریق کی درخواست پر یروشلم تشریف لے گئے کہ اس نے یہ خواہش کی تھی کہ وہ شہر کی چابیاں خود اسلامی حکمران کے ہاتھ میں دینا چاہتا ہے:۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

یہ وہ امن نامہ ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمر رضؓ نے ایلیاء کے باشندوں کو عطا کیا، یہ امان ان کے جان و مال گرجا و صلیب، تندرست و بیمار اور ان کے تمام ہم مذہبوں کے لئے ہے، اس طور پر کہ ان کے گرجاؤں میں مسلمان رہائش نہیں اختیار کریں گے، نہ انہیں مسمار کیا جائیگا نہ ہی ان کی صلیبوں اور دیگر اموال میں کوئی کمی کی جائیگی۔ مذہب کے بارہ میں ان پر جبر نہیں ہوگا نہ ہی انہیں کسی قسم کی تکلیف دی جائیگی۔ ایلیا میں یہود ان کے ساتھ نہ رہنے پائینگے۔ دیگر شہر والوں کی طرح ایلیاء والے بھی جزیہ ادا کرینگے۔ یونانیوں کو شہر چھوڑ دینا ہوگا اور ان میں سے جو شہر سے نکلے اس کی جان و مال محفوظ ہے یہانتک کہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے، پھر بھی جو شہر میں رہنا چاہیں وہ ایسا کرسکتے ہیں بشرطیکہ جزیہ ادا کریں۔ اور اہل ایلیا میں سے جو یونانیوں کے ساتھ جانا چاہیں تو ان کو اور ان کے گرجاؤں اور صلیبوں کو امن ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں۔ غیر ملکی بھی جزیہ ادا کرکے ایلیا میں ٹھیر سکتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اپنے ممالک کو واپس جانا چاہیں تو اس میں انہیں کوئی روک نہیں، جو کچھ اس دستاویز میں تحریر ہے اس پر خدا، خدا کا رسول اور اس کے خلفا اور تمام مسلمان ضامن ہیں، بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے ہیں،

گواہ شد	گواہ شد	گواہ شد	گواہ شد
خالد بن ولید	عمرو بن عاص	عبد الرحمن بن عوف	معاویہ بن ابی سفیان

[1] فتوح البلدان جلد اول [2] الخلافت مصنفہ ولیم میور

اس معاہدہ کے کرنے میں حضرت عمرؓ نے جس وسعت نظر، وسیع حوصلگی اور مذہبی رواداری کا ثبوت دیا اس سے زیادہ ایک سچے اور حقیقی مسلمان کی خصوصیت اس جواب سے ظاہر ہوتی ہے جو اپنے بطریق اعظم کو اس وقت دیا جب اس نے ایلیاء کے گرجا میں آپؓ سے نماز ادا کرنے کی خواہش کی، لیکن آپ نے اس گرجا یا چرچ قسطنطین میں جہاں آپ کے لئے جاء نماز بچھا دیا گیا تھا یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ اگر آج میں نے یہاں نماز ادا کر لی تو بعد میں آنے والے مسلمان اس سے دلیل پکڑ کر اس پر قابض ہو جائیں گے۔

ضمیر و مذہب کی آزادی کا فرمان

جیسا ہم بیان کر چکے ہیں ضمیر کی آزادی انسان کا پیدائشی حق، اس کی گرانمایہ میراث اور بے بہا متاع ہے، معلوم ہوتا ہے اس کے تمام حقوق میں سے اس مقدّس حق کا تحقق اس کی فطرت میں مرکوز کر دیا گیا ہے، انسان ہر زمانہ میں پورے عزم و ثبات کے ساتھ اپنی ضمیر کو دوسروں کے تصرّف میں دینے اور دوسروں کے احکام و اوامر کے پیش نظر کسی بات کے ترک و قبول کرنے سے انکار کیا ہے، مذاہب کی تاریخ میں یہ حقیقت موٹے حروف سے ثبت ہے کہ بہت سے لوگ صرف اس جُرم کی پاداش میں زندہ دفن کئے گئے۔ نہر و دریا میں ڈبوئے گئے کہ انہوں نے اپنے محبوب معتقدات کے چھوڑنے اور ایسی باتوں کے قبول کرنے سے انکار کر دیا جو ان کی ضمیر کے خلاف تھیں۔ ہر چند کہ صحیح و ثابت ضمیر کی رہنمائی میں انسان اپنے اس حق سے دستبردار نہیں ہُوا جس سے اسے محروم نہیں کیا جا سکتا، اور اسے شکست دینے والے تمام حملوں کا اس نے کامیابی سے مقابلہ کیا ہے تاہم اسلام سے قبل کسی دستور میں اس کے تقدس کو اتنے وسیع الفاظ میں تسلیم نہیں کیا گیا، حریت فکر اور آزادی ضمیر کا یہ فرمان دنیا کو سب سے پہلے اسلام نے عطا کیا اور قوانین الٰہی کی کامل ترین کتاب قرآن مجید نے لا اکراہ فی الدّین کے الفاظ میں انسان کا وہ حق تسلیم کیا جس سے کسی طرح بھی محروم نہیں کیا جا سکتا، اس آیت قرآنیہ میں جو عظیم تعلیم دی گئی ہے اس کی رفعت و بلندی کو یہ چیز اور بڑھا دیتی ہے کہ یہ آیت ان دفاعی جنگوں کی اجازت کے بعد نازل ہوئی ہے جن کے متعلق مسیحی مصنّفین کا اکتشاف ہے کہ ان میں مسلمانوں کو اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے جبر و تشدّد کی جرأت دلائی گئی ہے۔ اس آیت قرآنی میں مسلمانوں کے لئے ایک مؤقرانہ انتباہ ہے کہ اب جبکہ انہیں اپنے دشمنوں سے جنگ کی اجازت ہے انہیں بالخصوص اس بارہ میں محتاط رہنا چاہیئے کہ ایسے پُرآشوب ماحول میں دوسروں کی مذہبی آزادی پامال نہ ہونے پائے، الٰہی آواز مسلمانوں کو ان الفاظ میں خطاب کرتی معلوم دیتی ہے کہ "دیکھو تمہیں دفاعی جنگوں کی اجازت

دی گئی ہے اور تمہیں اپنے دشمنوں کے قتل و قید کا مختار بنایا گیا ہے لیکن پھر بھی تم کسی طرح بھی اپنے افتادہ اور سرنگوں دشمنوں کو ان کی ضمیر کے خلاف بزور دائرہ اسلام میں لانے کے مجاز نہیں ہو۔ آیت قرآنیہ کے اس حکم کو کہ غیروں کے مذہبی جذبات و عواطف کا احترام ملحوظ رکھا جائے اگر اس حقیقت کے ساتھ ملایا جائے کہ جب کبھی کوئی شخص ہر چند کہ وہ دشمن کے گروہ کا فرد ہی کیوں نہ ہو دین اسلام کی تحقیق کے لئے مسلمانوں کے پاس آیا تو ہمیشہ اس کی عزت و محافظت کی گئی تو اس الزام و اتہام کی تہی دامنی، بے بضاعتی اور بے حقیقتی کلیتاً آشکار ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کو بزور و جبر اپنے مذہب کو پھیلانے کی جرأت دلائی گئی تھی، ایک عظیم مغربی مصنف نے سچ کہا ہے :۔

"ایک غیر متعصب پڑھنے والے کو یہ خیال نہ گذرے کہ دین محمدی اپنی وسیع رحیمانہ اور بشر دوست خیر خواہی اور دستگیری میں ذات باری کو ایک امر فقیہی اور بے تاثر فرقہ پرست کے اظہار سے بھی زیادہ نمایاں متعصبانہ اور خود غرضانہ انداز میں منعکس کرتا ہے"

تبلیغ اسلام پرامن ذرائع سے ہونی چاہیئے

اسلام نے نہ صرف یہ کہ اپنے متبعین کو بزور و جبر اپنا مذہب پھیلانے کی تلقین نہیں کی بلکہ صاف واضح اور غیر مشتبہ الفاظ میں یہ تعلیم دی ہے کہ اس کی اشاعت مطمئن کن، امن بخش اور صلح و آشتی کے ذرائع سے ہی ہونی چاہیئے، ذیل کی آیات ان وسائل کی توضیح و تشریح کرتی ہیں جو مسلمانوں نے اسلام کے پھیلانے کے لئے اختیار کئے :۔

(۱) اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔	(۱) دعوت دو اپنے رب کی راہوں کی طرف حکمت اور وعظ و نصیحت سے اور ان سے مجادلہ احسن طریق پر کرو۔
(۲) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ۔	(۲) یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلی حالات کو جانتا ہے تو ان سے اعراض کرے اور انہیں دور رس باتوں کی تلقین کر۔

غیروں کے مذہبی جذبات و عواطف کے احترام کے بارہ میں تو مسلمانوں کو اتنے شدید احکام دیئے گئے تھے کہ انہیں اس کی بھی اجازت نہ تھی کہ بت پرستوں کے بتوں کا بھی توہین آمیز الفاظ میں ذکر کر سکیں، کیونکہ اس سے بت پرستوں کو تکلیف پہنچنے کا امکان ہے، چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے :۔

لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ	خدا تعالیٰ کے سوا جن دوسرے معبودوں کی لوگ پرستش کرتے ہیں انہیں سب و شتم سے یاد نہ کرو کہ اس طرح غیظ و عداوت

زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ۔

کے جذبات سے وہ جہالت سے خدا کو گالیاں دینے لگیں گے اور اپنے اس فعل کو سراہینگے ؛

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے اقوال وافعال سے بھی بہت حد تک ان احکام و اوامر قرآنیہ کی تکمیل فرمائی ہے، جب کبھی بھی حضور ؐ نے کوئی لشکر روانہ فرمایا تو اس کے افسر کو تلقین و ہدایت فرماتے۔ یسّروا ولا تعسروا وبشّروا ولا تنفّروا (الجہاد) دیکھو لوگوں سے نرمی و رافت کا سلوک کرنا اور انہیں زحمت و مشقّت میں نہ ڈالنا ان سے خوش آئند باتیں کرنا اور سختیں کر کے انہیں اپنے سے متنفّر نہ بنانا ؛

جب مکّہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ملک کے مختلف اطراف وجوانب میں تبلیغی وفود روانہ فرمائے کہ وہ لوگوں کو دعوت اسلام دیں تو حضور ؐ نے ان کے امراء کو سخت گیر احکام دیئے کہ معرکہ آرائی نہ ہونے پائے بلکہ کمال محبّت و شفقت سے دعوت اسلام دی جائے ؛

ایک عام غلط فہمی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی، کہ اسلام اپنی تعلیمات کی نشر واشاعت کے لئے جبر و تشدّد کی اجازت دیتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کی بالکل غلط اور نادرست تشریح و تغیر کی گئی ہے، اور اس کا سیاق و سباق کاٹ کر اسے ایسے معانی پہنائے گئے ہیں جن کا انکار یہ حدیث خود کر رہی ہے، کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ (بخاری کتاب الایمان) یعنی خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ مَیں کفار سے اسوقت تک مصروف پیکار رہوں اور اپنا ہاتھ نہ روکوں جب تک کہ وہ ربقۂ اسلام اپنے گلے میں نہ ڈال لیں، لیکن اگر اس حدیث کے یہی معنے ہیں تو پھر یہ مخالف ہونگے ان آیات قرآنیہ کے جن میں سے چند ایک ہم اوپر درج کر آئے ہیں۔ معارض ہونگے ان احکام و اوامر کے جن میں حضور ؐ نے فوجی قائدوں اور جرنیلوں کو کسی شکل اور کسی رنگ میں بھی اسلام کی نشر واشاعت کے لئے جنگ وجدال سے روکدیا تھا اور متناقض ہوں گے خود حضور علیہ السّلام اور حضور ؐ کے خلفاء ؓ کے اس مستحکم اسوہ اور متحقق نمونہ کے کہ غیر مُسلم ان کی حکومت میں کامل امن و امان سے رہے ہیں۔ اور انہیں فرمان آزادی عطا کیا گیا۔ ایسی ناقابل تردید تاریخی شہادتوں کے ہوتے ہوئے مندرجہ بالا فرمان نبوی کی وہ تشریح و تفسیر نہیں ہو سکتی جو تفسیر و تشریح چند بد اندیش اور کینہ جُو مسیحی مصنّفین نے کرنا چاہی ہے۔ قرآن مجید کا کل متن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا تمام اسوہ اس اتہام و بہتان کی ایسی تردید و تکذیب کرتا ہے جس کے لئے کسی بحث و تمحیص کی بھی ضرورت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کے لئے لشکر روانہ فرمائے تھے۔ زیر نظر حدیث کی حیثیت ایک عمومی اور غیر معین دستور العمل کی نہیں بلکہ یہ صرف ایسے اشخاص سے مخصوص ہے جن سے ان کی شر انگیز حرکات کے باعث مسلمانوں کو جنگیں کرنا پڑیں، مسلمانوں کا یہ قائم و دائم اور ناقابل تغیر دستور تھا کہ ان کے امراء اس ذوق و شوق میں کہ انسانی خون کا ایک قطرہ بہانے سے بھی اجتناب کیا جائے ہمیشہ مخالف سرداروں کو کہدیا کرتے تھے کہ وہ اپنی مجرمانہ اور شر برانہ حرکات سے دو ہی طریقوں سے بچ سکتے ہیں اوّل یا تو وہ ہتھیار ڈال دیں جس صورت میں بطور دلیل انہیں جزیہ ادا کرنا ہوگا اور یا پھر دائرہ اسلام میں آجائیں اور حاکم قوم کے تمام حقوق سے بہرہ مند ہوں ۔

اس حدیث کی ایک اعلیٰ اور زیبا تشریح اس گفتگو سے بھی حاصل ہوتی ہے جو جنگ قادسیہ سے پہلے جس نے عہد فاروقی میں تخت فارس کے تابوت میں آخری کیل لگا دیئے بمقام مدائن وفد اسلامی کے اراکین اور شاہ فارس کے درمیان ہوئی، ولیم میور لکھتا ہے کہ "یزدجرد نے اپنے ترجمان کے ذریعہ دریافت کیا کہ بلاکسی اشتعال کے انہوں نے اس کی مملکت کو کیوں تاخت و تاراج کر کے رکھدیا ہے، اسلامی نمائندوں نے یکے بعد دیگرے اسے ان عظیم الشان انقلابات سے باخبر کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں پیدا کئے تھے اور اسے اسلام کی برکات بتلائیں، اور کہا کہ تم بھی متاع اسلام سمیٹ کر ہماری طرح ہو جاؤ۔ اور اگر یہ پسند نہیں تو باجگزار بنکر ہماری حفاظت میں آجاؤ اور اگر اسے بھی تم رد کرتے ہو تو یقین جانو کہ تمہاری بادشاہی اور تمہارے اقتدار کے معدودے چند دن باقی رہ گئے ہیں" اس حقیقت کے پیش نظر یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اشاعت اسلام کے ذوق و شوق میں مسلمانوں نے ایرانی قلمرو کو تاخت و تاراج کیا، اور اس کے تاجدار کو صرف یہ دو متبادل صورتیں پیش کیں کہ یا تو حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤ اور یا پھر اپنی قلمرو سے ہاتھ دھو بیٹھو ۔

مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان جنگ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں چھڑ چکی تھی اور مذکورہ بالا واقعہ خلافت فاروقی کا ہے، پس واقعہ یہ ہے کہ یہ مسلمان نہ تھے جنہوں نے ایرانی مملکت کو بغیر کسی اشتعال کے تہ و بالا کر دیا بلکہ ایرانی شہنشاہ تھا جس نے ایک نئے مذہب کے طلوع وارتقا اور عرب میں ایک جدید طاقت کے اُبھرنے کو حاسدانہ نگاہ سے دیکھتے ہوئے چاہا کہ اسے نوخیزی ہی میں برباد کر کے رکھدے اور اسی چیز نے اس کے اور اسلامی سلطنت کے درمیاں عداوت و خصومت کا آغاز کر دیا جنگ چند برسوں تک جاری رہی، اور بدیہی طور پر یہ فیصلہ کن جنگ کے آخری لمحات تھے جب اسلامی وفد کسریٰ کے پاس یہ بتلانے کے لئے گیا کہ وہ اور زیادہ خون آشامی سے اجتناب کرے اور یہ مقصد اسلام قبول

کر لینے یا مسلمانوں کے سایہ عاطفت میں آجانے سے حاصل ہو سکتا ہے جس کے لئے اسے صرف جزیہ ادا کرنا ہوگا۔" یقیناً اس قوم کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی جس نے دوسری قوم پر ظالمانہ اور غارتگرانہ حملہ کیا ہو کہ اسے اپنے اس مذہب کی عظیم "برکات" کی طرف بلائے جس نے اسے مبرہن طور پر غارتگر اور ڈاکو بنا کر رکھ دیا ہو۔ ایک مرتبہ جب مسلمانوں کو اولاً استیصال اور ثانیاً اسلامی طاقت کی ابھرتی ہوئی رو کو دبانے کے لئے مبتلاء جنگ کر دیا گیا۔ اور انہوں نے بھی اپنے مذہب کے بچاؤ اور اپنی نئی قائم شدہ حکومت کی حفاظت کے لئے ہتھیار اٹھا لئے تو اس وقت تک وہ انہیں ہاتھ سے نہیں رکھ سکتے تھے کہ یا تو وہ خود نیست و نابود ہو جاتے یا ان کا دشمن ہی تباہ و برباد ہو کر رہ جاتا اور تیسری صورت یہ تھی کہ مخالف اسلام قبول کر کے عالمگیر اسلامی برادری میں شامل ہو جاتے، اور مذکورہ بالا حدیث کے صرف یہی معنے ہیں۔ اور اس سے یہ اخذ کرنا کہ رسول عربیؐ یا آپؐ کے خلفاء نے بنوک شمشیر مسلمان بنانے کے لئے غیر مسلموں سے خونی جہاد کئے۔ نصوص بیّنہ قرآنیہ، اقوال و اعمال نبویہ اور حقائق تاریخیہ کے خلاف ہے۔

غزوات نبویہؐ کے اغراض و مقاصد

بے محل نہ ہوگا اگر اس موقعہ پر غزوات نبویہؐ کے اغراض و مقاصد کے متعلق بھی چند الفاظ کہدئیے جائیں جن کے متعلق اسقدر غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے کامل دس سال دفاعی جنگوں میں گذر گئے اور اسی طرح اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حضور علیہ السلام نے بنفس نفیس بھی بہت سی لشکر کشیاں فرمائی تھیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضورؐ کے تمام غزوات یا سرایا ذیل کے مقاصد میں سے کسی مقصد کے پیش نظر تھے جن کا مرکزی نقطہ حفاظت ذاتی تھا۔

اوّل:۔ مدینہ کے قرب و جوار میں رہنے والے قبائل سے عہد و مواثیق لینے کے لئے، کیونکہ اگر انہیں انکے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ اس لئے عظیم خطرات کا موجب بن سکتے تھے کہ انہیں قریب ترین ہمسایہ ہونے کی وجہ سے ہر وقت قریش مکّہ، یہود اور منافقین مدینہ کی طرف سے بھڑکا کر آمادہ فساد کیا جا سکتا تھا۔

دوئم:۔ پھر یہ غرض کہ شام سے مکّہ آنے جانے والے کاروانوں کو روکا جائے تاکفار مسلمانوں کی ایذاء رسانی سے باز آجائیں، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک مناسب اعلان جنگ اور کفّار کی طرف سے ایسے ہی حملوں کے بعد مسلمانوں نے یہ حملے کئے۔

سوئم:۔ غنیم کی نقل و حرکت سے آگاہی رکھنے کے لئے۔

چہارم:۔ کفار کے سوچے سمجھے حملوں کے لئے بطور حفظ ماتقدّم کے۔

پنجم:۔ امن و امان قائم رکھنے کے لئے لشکروں کی روانگی ؛

ششم:۔ اسلامی مبلّغوں اور معلّموں کی حفاظت و بچاؤ کے لئے ان کے ساتھ فوجی دستے روانہ کئے گئے ؛

ہفتم:۔ دشمن کے حملوں کا دفاع ؛

کون ان مقاصد و اغراض کو ہیچ و فرومایہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہے، کیا ذاتی حفاظت کرنا اور اپنی عزت و ملک کی حفظ و صیانت میں جان دے ڈالنا انسان کے صفات حمیدہ میں سے نہیں ؟

ایک اور بے بُنیاد الزام

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایک اور بے بُنیاد الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ جبتک تو آپؐ مکّہ میں تھے اور آپؐ کی حالت کمزور تھی آپؐ ہر حملہ پر اپنے متبعین کو صبر و تحمل کی تلقین کرتے رہے کیونکہ اس سے مختلف کوئی اور طریق عمل ہی نہ تھا۔ لیکن مدینہ پُہنچکر چونکہ کافی قُوّت و طاقت جمع کر لی اس لئے حملوں کے جواب کا حق پیدا کر لیا اور بتدریج مکّہ کے دُشمنوں سے لڑنا اور انہیں مطیع و منقاد کرنا ایک مقررہ فرض قرار دے لیا۔[له] یہ اعتراض یا تو شرانگیز اور غلط نمائندگی سے پیدا ہُوا ہے یا یہ نتیجہ ہے تاریخ اسلام سے حد درجہ گہری جہالت کا ؛

ان نازک حالات کا ایک بےغرضانہ اور غیر متعصبانہ مطالعہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ سے ہجرت فرمائی اور جن سے مدینہ پہنچتے ہی آپؐ کو دوچار ہونا پڑا ایک غیر متعصب کے ذہن میں کوئی شک و شبہ نہیں رہنے دیتا کہ مدنی زندگی کے ابتدائی چند سالوں میں قُوّت و طاقت حاصل ہونے کا تو کیا ذکر مسلمانوں کی اپنی پوزیشن مسلّمہ طور پر خطرہ میں تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشکلات بجائے کم ہونے کے بڑھ رہی تھیں۔ قریش آپؐ کے خلاف زمین و آسمان کو تہ و بالا کر رہے تھے۔ قبائل کے ایک متفقہ حملے سے اسلام کو بیخ و بن سے اکھیڑ دینے کی دھمکی دی جا رہی تھی، اطراف کے قبائل اپنی تمام تر صحرائی ہیبت اور درندگی کے مدینہ کے خلاف صف آرا تھے، کیونکہ پاسبان کعبہ ہونے کے باعث قریش کا ان پر بہت اثر و رسوخ تھا۔ خود مدینہ فتنہ و فساد کا گھر تھا، عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے منافق ساتھیوں کو جو آنحضرت صلے اللہ وسلم کو مدینہ لانے کا باعث ہوئے تھے گو اب بھی بظاہر دعوئ اسلام تھا لیکن فی الحقیقت وہ اسلام کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ تھے، یہود نے حاسدانہ اور سفاکانہ طور پر متحد و متراکم ہو کر آپؐ کی مخالفت کی تھی، خود مسلمان بیحد قلیل اور کمزور تھے، تاریخ کے یہ مسلم حقائق اس الزام کی تردید و تکذیب کرتے ہیں کہ ازبسکہ رسول عربیؐ نے مدینہ آ کر اپنی طاقت بڑھا لی تھی اس لئے وہاں پہنچتے ہی معرکہ کارزار گرم کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ نوزائیدہ اسلامی جمہوریت کے ذرد

[له] انسائیکلو پیڈیا آف برٹینیکا۔

طاقت پکڑ جانے کی وجہ سے اس حرب و قتال کی گرم بازاری نہیں ہوئی بلکہ اس کے مندرجہ ذیل وجوہات تھے،

اوّل:۔ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم مکّہ میں تھے تو آپ مکّی جمہوریت کے ایک شہری، ایک نبی، ایک امن پسند اور تابع قانون انسان اور ایسے مذہب کے بانی ہونے کی حیثیت سے جو سختی سے قانون شکنی اور بدامنی سے روکتا ہے۔ اپنے متبعین کو دفاع ذاتی اور خود حفاظتی کے لئے بھی جنگ کی اجازت نہیں دے سکتے تھے ؛

دوئم:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہجرت نے کفار کی سبعیت اور ان کے غیظ و غضب کو بہت بڑھا دیا اور وہ اسلام کی تباہی و بربادی کے لئے زیادہ سنجیدہ تدابیر سوچنے لگے ؛

سوئم:۔ کفار نے عبداللہ بن ابیّ بن سلول کو جو مدینہ میں طلوع اسلام سے قبل ان کا ممتاز قومی لیڈر تھا۔ بدیں مضمون ایک تہدیدی خط لکھ کر ان تدابیر کو عملی جامہ بھی پہنا دیا کہ اگر مدینہ والے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ نہیں کرینگے یا کم سے کم انہیں مدینہ سے نکال نہیں دینگے تو مکّہ والے اپنی کل جمعیت اور اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہو جائینگے۔ اور اس کے باشندوں کو قتل اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنا کر لیجائینگے، اس کیلئے ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں:۔ إِنَّكُمْ أَوَيْتُمْ صَاحِبَنَا وَإِنَّا نُقْسِمُ بِاللهِ لَتُقَاتِلُنَّهُ أَوْ تُخْرِجُنَّهُ أَوْ نَسِيرَنَّ إِلَيْكُمْ بِأَجْمَعِنَا حَتَّى نَقْتُلَ مُقَاتِلَكُمْ وَنَسْتَبِيحَ نِسَاءَكُمْ ؛

چہارم:۔ کعبہ کے پاسبان اور متولّی ہونیکی وجہ سے قریش کا عرب کے بُت پرستوں پر کافی اخلاقی اثر تھا اور وہ اس اثر سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اسلام کی تباہی و بربادی اور مدینہ پر حملہ آور ہونیکے لئے قریباً تمام عرب کو اپنا طرفدار اور ہمنوا بنا لینے میں بظاہر کامیاب ہو گئے تھے کیونکہ رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمانوں کو روز و شب مسلح رہنا پڑتا تھا مبادا دشمن لاعلمی میں اُن پر حملہ آور ہو جائیں، مسلمانوں کی اس قابل رحم حالت کا قرآن مجید نے اس آیت میں ذکر کیا ہے:۔

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝	اس حالت کو یاد کرو جب تم قلیل التعداد اور اپنے علاقہ میں کمزور و ناطاقت تھے اور ہر آن تمھیں یہ خطرہ رہتا تھا کہ مبادا دشمن تمھیں اچک کر لیجائیں تو خدا نے تمھیں جائے پناہ عطا فرمائی اور اپنی مدد سے تمھیں نوازا اور تمھیں شکر گذار بنانیکے لئے طیب رزق عطا کیا ؛

خود مدینہ میں بہت سے بُت پرست، یہودی اور منافق تھے جنہیں اسلام کی ترقی کسی آنکھ نہ بھاتی تھی اور وہ ہر آن کسی ایسی مشترک علّت وسبب کی تاک میں رہتے تھے جس سے مدینہ کو خاک و خون میں تڑپایا جاسکے ؁

غرض اس طرح جب کفار جور وجفا کی تمام سختیاں توڑ چکے اور مسلمانوں کے صبر و قرار کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو ان کو بھی خود حفاظتی کے لئے اسلحہ سنبھالنے کی اجازت ملی، لیکن پھر بھی ان افراد کی تعداد چند سو سے زائد نہ تھی جو جنگ وجدال کے قابل تھے اسپر بھی ان کے پاس کوئی سامان جنگ نہ تھا اور وہ سخت بے نوائی کی حالت میں تھے۔ ان چند سو بے ساز و سامان بے رسد اور غیر تربیت یافتہ افراد نے یقیناً خود حفاظتی کی خاطر ہتھیار اُٹھائے تھے اور اس کے پس پردہ یہ چیز کار فرما نہ تھی کہ انہیں اپنی فوجی طاقت کے فرضی ازدیاد کے باعث اپنی فتح کا یقین ہو چکا تھا۔ اور کمال تطابیف سے یہ سمجھتے ہوئے اُٹھائے تھے کہ اپنے وطن سے بے وطن اور گھر بار سے جُدا ہو کر اور ہر اس چیز کو چھوڑ کر بھی جو اس دنیا میں انہیں پیاری اور محبوب ہے وہ امن وامان کی زندگی نہیں پاسکتے اور جانتے ہوئے اُٹھائے تھے کہ اب ان کے لئے صرف یہی متبادل صورتیں رہ گئی ہیں یا تو اپنے نبی اور مذہب کی بزور بازو حفاظت کریں، اور یا پھر اس کوشش میں اپنے تئیں قربان کر ڈالیں یہ حقیقت کہ مسلمانوں کو اپنی کامل بے مائیگی و بے بضاعتی کا بصد رنج واندوہ احساس تھا، اور وہ قریش کے ساتھ دو دو ہاتھ ہونیکا تصوّر بھی نہ کرنا چاہتے تھے، قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے مبرہن ہو جاتی ہے:-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ

کیا تم ان لوگوں کی حالت نہیں دیکھتے جب انہیں کہا گیا اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نمازوں میں لگ جاؤ اور زکوٰتیں دو پھر جبان پر جنگ فرض کی گئی تو یہ حالت ہے کہ ان میں سے ایک گروہ لوگوں سے ایسا خوف کھاتا ہے جیسے خدا سے کھانا چاہیئے شائد اس سے بھی بڑھ کر اور کہتا ہے اے مولیٰ تُو نے یہ جنگ کی کیا مصیبت ڈالدی ہے ؁

علماء کا اجماع ہے کہ ان میں سے پہلی آیت جن میں مسلمانوں کو دفاعی جنگوں کی اجازت دی گئی ہجرت کے پہلے سال میں نازل ہوئی تھی، حریت کے الفاظ بغیر کسی شک و شبہ کے ثابت کرنے میں کہ کن حالات میں مسلمانوں کو ان جنگوں کے لڑنے کی اجازت ملی۔ اور اس بے بنیاد نظریہ کی تکذیب و

تردید کرتے ہیں کہ مسلمان جب جنگ کے قابل ہوگئے تو انہوں نے کافروں کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کے لئے اس کا آغاز کردیا۔ قرآن مجید فرماتا ہے :۔

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا
وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ۝
الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ
حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۚ وَلَوْلَا
دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ
لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ
وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ
كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ
إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

ان لوگوں کو جن سے جنگ کی گئی جنگ کی اجازت دیجاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور خدا کو ان کی اعانت و نصرت کی قدرت حاصل ہے ہاں ان لوگوں کو جنہیں بلا وجہ صرف اس بنا پر گھر سے بے گھر کیا گیا کہ انہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اس طرح ایک۔ دوسرے کے دفاع کے سامان مہیا نہ فرمائے تو صومع، مندر، عبادت گاہیں اور مساجد جنہیں خاص طور پر ذکر الٰہی ہوتا ہے برباد ہو کر رہ جائیں خدا ایسے انصار کی خود اعانت فرمایا کرتا ہے اور وہ قوی و عزیز ہے ؛

مندرجہ بالا آیت کے الفاظ سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اولاً۔ کفار نے مسلمانوں سے جنگ کی، ثانیاً مسلمانوں نے صرف خود حفاظتی کے لئے ہتھیار سنبھالے، ثالثاً۔ انہیں اپنے مخالفین سے انہوں نے بہت مصیبت و تکلیف۔ اور جور و ستم سہنے پڑے، رابعاً۔ جب مسلمانوں کو دفاعی جنگوں کی اجازت ملی وہ بیحد کمزور و ناتواں تھے اور انہیں فتح و کامرانی کے لئے عامتر بھروسہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات پر تھا اور پھر خامساً۔ یہ کہ وہ ضمیر کی آزادی کو محکم و برقرار رکھنے اور مساجد اور دوسری عبادتگاہوں کی تباہی و بربادی سے بچانے کے لئے مجبور ہوگئے کہ تلوار اٹھائیں۔ غرض صرف یہی آیت اس احمقانہ اور حتماً بے بنیاد الزام کا ناقابل تردید جواب ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا۔ جنگ کے شعلوں میں کود پڑنے سے اسلام کو کیا حاصل ہو سکتا تھا جبکہ اس چیز نے تبلیغ کی طرف سے مسلمانوں کی توجہ کو ہٹا دیا۔ اور خاص طور پر اس وقت جبکہ یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اسلام کی اشاعت میں جنگی ماحول ایک شدید روک ہے، اسلام نے ہمیشہ امن و امان کے ماحول میں ہی عظیم ترقیات حاصل کی ہیں، ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد جبکہ اسلامیوں کی حکومت کا چراغ ہمیشہ کیلئے گل ہوگیا ہ، برس میں مسلمانوں نے اپنے آٹھ سو سالہ دور حکومت سے زیادہ ترقیات حاصل کیں۔ افریقہ میں وہ برطانوی جھنڈے کے تلے زیادہ تیز گامی سے بڑھ رہے ہیں، اور خود مغرب میں اس کی اشاعت اس کے جنگی سربازوں کی تیغ و سنان کے منت پذیر ہوئے بغیر ہو رہی ہے اسلام خود زندہ رہنا چاہتا ہے اور دوسرے مذاہب کو زندہ رہنے کی

اجازت دیتا ہے اس کی خواہش ہے کہ وہ لوگوں کی عقل وضمیر کو ناقابل مقاومت اپیل کرے اور اس طرح ان کی گرویدگی اور پیوستگی حاصل کرلے، یہی وجہ ہے کہ اس نے ہر اس کوشش کی جس سے بجبر واکراہ تبدیل مذہب کروایا جائے سختی سے مخالفت کی ہے اور ان سب کے لئے واپس لوٹنے کے دروازے کھلے رکھے ہیں جنہوں نے اسے ایکبار قبول کرلیا ہو *

سوالات اور ان کے جوابات

سوال اوّل:۔ تقدیس کے کیا معنے ہیں؟

جواب:۔ تقدیس کے معنے یہ ہیں کہ تمام کمالات الوہیت کو خدا کی طرف منسوب کرنا۔ ایمان لانا۔ اظہار کرنا۔ اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنا *

سوال دوم:۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو تو بادشاہ بنا دیتا ہے اور دوسرے کو فقیر حالانکہ وہ کسی کی رو رعایت نہیں کرنے والا۔

جواب:۔ نہ اللہ تعالیٰ بادشاہ بناتا ہے نہ فقیر۔ چونکہ انسان ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کی خرابیوں اور نیکیوں کے وارث ہوتے ہیں۔ یا ان سے متأثر ہوتے ہیں۔ اس لئے بادشاہ کا بیٹا بادشاہ ہوجاتا ہے۔ اور فقیر کا بیٹا عام طور پر فقیر ہوجاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے استعداد اور قابلیت سب میں رکھی ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کئی لوگ اس بادشاہت کو کھودیتے ہیں اور کئی فقیر سے بادشاہ ہوجاتے ہیں۔ نیپولین۔ اور نادر شاہ کیا معمولی حیثیت سے بادشاہ نہیں ہوئے اسی طرح کیا بہت سے بادشاہ اپنی بادشاہتیں نہیں کھو بیٹھے حال ہی کے واقعات میں سے ٹرکی کے تین بادشاہ۔ رُوس اور جرمنی کا بادشاہ میکسیکو کا میکس بادشاہ۔ مصر کا عباس حلمی پاشا ان سب نے اپنی حکومتیں کھودی ہیں۔ پس قابلیتیں سب میں موجود ہوتی ہیں۔ جو اپنی قابلیتوں سے کام لیتے ہیں وہ اپنے بُرے ماحول کو بدل لیتے ہیں۔ اور جو اپنی قابلیتوں سے کام نہیں لیتے وہ اپنے اچھے ماحول کو تباہ کردیتے ہیں *

سوال سوم:۔ اللہ تعالیٰ کیوں ایک شخص کو خوبصورت بنا دیتا ہے اور دوسرے کو بدصورت؟ کیوں ایک کو اچھا حافظہ دیتا ہے اور دوسرے کو بُرا؟ کیوں ایک کو عقل رسا عطا فرماتا ہے اور

دوسرے کو ایسی عقل نہیں دی جاتی ؟ اور کیوں ایک کو بہرہ اور اندھا وغیرہ پیدا کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان اختلافات کی کیا وجہ ہے ؟

جواب:۔ خدا تعالیٰ نے اچھی شکل کے قواعد اور اچھے حافظے کیلئے قواعد بنائے ہیں اور ان قواعد کی نگہداشت کو ماں باپ کی طاقتوں۔ غذا۔ آب و ہوا۔ ملک کا مقام، اپنے ذاتی اخلاق۔ تعلیم و تربیت سے وابستہ کیا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے مقررہ قانون کی پابندی کرتا ہے۔ وہ ان چیزوں سے اچھا حصّہ لیتا ہے۔ جو شخص ان سامانوں سے محروم ہوتا ہے۔ وہ ان سے حصّہ اپنے حرمان کے مطابق لیتا ہے۔ ان سوالات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکے ذہن میں یہ بات داخل ہوئی ہے کہ رُوحیں خدا تعالیٰ نے پیدا کر کے رکھی ہوئی ہیں اور وہ انہیں دنیا میں تقسیم کرتا رہتا ہے۔ پس آپ حیران ہوتے ہیں کہ وہ ایک رُوح کو بادشاہ کر کے بھیجتا ہے اور ایک کو فقیر ایک کو خوبصورت جسم میں بھیجتا ہے اور ایک کو بدصورت جسم میں۔ لیکن یہ حقیقت نہیں حقیقت یہ ہے کہ روح باپ کے نطفے سے اور ماں کی رحمی طاقتوں کے تعاون سے پیدا ہوتی ہے۔ باہر سے نہیں آتی۔ پس جن حالات میں وہ پیدا ہوتی ہے۔ ان سے وہ متأثر ہوتی ہے ؂

سوال چہارم:۔ اگر یہ اختلافات اس دنیا کے اعمال کے نتائج ہیں تو پھر ایک شخص اندھا کیوں پیدا ہوتا ہے ؟

جواب:۔ دوسرے سوالات کے جواب میں اس سوال کا بھی جواب آچکا ہے۔ ہمارا ہرگز یہ عقیدہ نہیں کہ دنیا کی تکالیف اور دُکھ شرعی اعمال کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں بلکہ اسلام کے نزدیک یہ باتیں قانون قدرت سے تعلق رکھتی ہیں اور قانون قدرت۔ ارادہ یا عدم ارادہ اور علم یا عدم علم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اور نہ اُس کا تعلق صرف انسان کے ذاتی اعمال کے ساتھ ہوتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے ماحول اور اپنے ماقبل اور اپنے مابعد سے بھی وابستہ ہوتا ہے۔ ایک شخص کے ماں باپ بُرے ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ نیک ہو تو ماں باپ کی بداعمالی کا اثر اسپر نہیں پڑیگا لیکن اگر اس کے ماں باپ سیاہ رنگ کے ہوں تو وہ ان کے اثر کو ضرور قبول کریگا۔ اسی طرح ماں اور باپ کی صحت کے اثر کو قبول کریگا۔ اسی طرح تمام ان طبعی اثرات کو قبول کریگا جو قانون قدرت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک شخص اگر نماز پڑھتا ہے اور اس کے محلے والے نماز نہیں پڑھتے تو ان کے نماز نہ پڑھنے کا عذاب اسپر نہیں ہوگا۔ لیکن اگر محلے میں وبا پڑتی ہے تو اس کے اثر سے یہ نہیں بچ سکتا۔ یا اس کے گھر میں آگ لگ جاتی ہے تو اس کے اثر سے یہ محفوظ

نہیں رہیگا۔ دنیا میں خدا تعالیٰ کے دو قانون جاری ہیں ایک قانون شریعت ہے جو انسان کے ارادے اور علم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور اس میں صرف اس کے ذاتی حالات کو مدِّنظر رکھا جاتا ہے۔ ایک قانون قدرت ہے اس کے نتیجے ایک خاص قانون کے ماتحت نکلتے ہیں۔ اور وہ ورثے کے ساتھ بھی تعلق رکھتے ہیں۔ اور صُحبت کے ساتھ بھی تعلق رکھتے ہیں۔ اور مقام کے ساتھ بھی تعلق رکھتے ہیں۔ اور چونکہ ان میں بہت حد تک انسان مجبور اور معذور ہوتا ہے۔ اس لئے قانون قدرت کے نتیجے کے ساتھ عذاب الٰہی اور عقاب الٰہی کو وابستہ نہیں کیا گیا۔ عذاب الٰہی اور عقاب صرف قانون شریعت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ؛

اندھاپن۔ بہراپن۔ بیماریاں یہ عقاب الٰہی کے ساتھ تعلق نہیں رکھتیں۔ ایک شخص کے باپ یا ماں کی جسمانی حالت کا کچھ تعلق ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ایّام حمل میں ہی اندھا ہو جاتا ہے۔ اور اندھا ہی پیدا ہوتا ہے۔ یہ سزا نہیں یہ طبعی نتیجہ ہے۔ جس طرح کھانے سے انسان کا پیٹ بھر جائیگا۔ پانی نہ پینے سے پیاس لگیگی یہ پیاس لگنا یا سیری ہو جانا یہ طبعی نتائج ہیں یا سزا یا انعام نہیں۔ اسی طرح پیدائشی اندھا ہونا یا لنگڑا ہونا یا بولا ہونا یہ پیدائشی طبعی نتائج ہیں۔ سزا نہیں۔ والسّلام

(از صحیفہ مکاتیب حضرت امام)

مغربی افریقہ میں مسلمانوں کی تعداد

علاقہ		1911	فیصدی (فیصدی)	1921	فیصدی (فیصدی)	1931	فیصدی (فیصدی)
گمبیا	مسلمان	115500	76	163000	78	168000	80
	آبادی	152500		209000		210000	
سیرالیون	مسلمان	114450	8	154900	10	219000	12
	آبادی	1403132		1151300		1763300	
گولڈ کوسٹ نوآبادی	مسلمان	10500	1.6	18300	1.6	25163	1.6
	آبادی	648000		1143000		1571000	
آشانتی	مسلمان	4600	1.6	6800	1.6	9873	1.6
	آبادی	287800		407000		578000	

علاقہ				
شمالی ٹوگز	مسلمان	7200	10600	17465
	آبادی	360600 — 2 فیصدی	527900 — 2 فیصدی	717275 — 2 فیصدی
گولڈ کوسٹ ساحل	مسلمان	22300	35400	52501
	آبادی	1504000 — 1.8	2075043 — 1.8	2866715 — 1.8
شمالی نائیجریا	مسلمان	6117500	6700000	7549275
	آبادی	9250000 — 65	10000000 — 67	11435000 — 66
جنوبی نائیجریا	مسلمان	424000	443700	463000
	آبادی	7855000 — 5.4	8000000 — 5.5	8168000 — 5.6
کل نائیجریا	مسلمان	6541500	7143700	8012275
	آبادی	17105000	18000000	19603000
پرتگالی گنی	مسلمان	45600	58000	73200
	آبادی	228000 — 20 فیصدی	289000 — 20 فیصدی	364900 — 20
لبریا	مسلمان	200000	200000	200000
	آبادی	1200000 — 17	1200000 — 17	1200000 — 17
سینی گل	مسلمان	750000	850000	1235000
	آبادی	1172000 — 62	1221000 — 70	1584000 — 78
غیر صحرائی سوڈان	مسلمان	444000	530000	- 710000
	آبادی	2005000 — 22	2074000 — 26	245500 — 28.9
اپر وولٹا	مسلمان	400000	444000	478000
	آبادی	2900000 — 13.7	2974000 — 14.9	3080000 — 15.2
فرنچ گنی	مسلمان	899400	951000	1245000
	آبادی	1763000 — 51	1874600 — 53	2237000 — 55
آئی وری کوسٹ	مسلمان	72500	100000	119400
	آبادی	1133000 — 6.4	1546000 — 6.4	1866000 — 6.4
ڈاہومی	مسلمان	49000	65000	86000
	آبادی	640000 — 7.7	842000 — 7.7	1112000 — 7.7
ٹوگولینڈ	مسلمان	31500	32000	32000
	آبادی	996000 — 3.2	1032000 — 3.2	1032000 — 3.2
کیمرون	مسلمان	500000	530000	559000
	آبادی	2540000 — 20	2500000 — 21	2697000 — 22

ہندوستان میں اشاعتِ اسلام

اگر اس زمانہ کا کوئی اعلیٰ ترین مدبر ہندوستان کے لئے عرب سے کوئی ایسا سیدھا راستہ نکالنا چاہتا جس سے سمندر کا چھوٹے سے چھوٹا راستہ پڑتا ہو۔ اور اس آباد منڈی سے لے کر حرمین تک کا سارا راستہ ایک ہی قوم ایک ہی مذہب اور ایک ہی زبان بولنے والوں کے قبضہ میں ہو۔ تو وہ بصرہ کے سوا اور کسی مقام کا انتخاب نہیں کر سکتا تھا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضؓ نے انہی خصوصیات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے بصرہ کو اس مقام پر آباد کیا۔

عہد فاروقی میں عرب نے سمندر کو عبور نہیں کیا۔ تاہم بصرہ کی منڈی کو مرکز قرار دیتے ہوئے مسلمانوں نے مشرقی سائبیریا تک کو اپنی جولان گاہ بنانے میں خاصی کامیابی حاصل کر لی تھی۔

امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی خلافت کے آغاز ہی میں بحری بیڑہ بنانے کی فوری ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ ضرورت اضطراری بھی تھی۔ ان کو صحیح اطلاع مل گئی تھی۔ کہ وہ یروشلم (بیت المقدس) جسے مسلمان عہد فاروقی میں خشکی کی راہ سے فتح کر چکے ہیں۔ اب اسے بحری راستہ سے فوج کشی کر کے شاہ روما واپس لینا چاہتا ہے۔

امیر المومنینؓ نے بحری بیڑہ قائم کیا۔ مکّہ کا سابق بندرگاہ شعیبہ تھا۔ وہ تنگ اور جدید بیڑہ کے لئے غیر مکتفی تھا۔ اس لئے جدہ کو بندرگاہ بنایا۔ پھر مدینہ کے لئے بھی جدہ اور مصر کے درمیان ایک جدید بندرگاہ تجویز کیا۔ جو آج ینبوع کے نام سے نامزد ہے۔ مدینہ سے ینبوع تک جو خشک راستہ ہے۔ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ملاحظہ فرما چکے تھے۔

امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کا قائم کردہ بیڑہ تین ہی سال کے اندر ایک زبردست بحری بیڑہ بن گیا۔ اس نے کریٹ اور روڈس اور مالٹا اور طرابلس مغربی کو (جہاں پر ہرقل اپنی بحری طاقت حجاز و فلسطین و مصر کے خلاف فراہم کر رہا تھا) فتح کر لیا۔

بیڑہ کی کامیابی نے بحری سفائن پر دجلہ فرات کا راستہ کھول دیا۔ اور قریش کے بڑھے ہوئے ارادوں نے بصرہ سے سواحل ہندوستان کی طرف جَوَار سَمَالَا عَلَا دَم کا سلسلہ قائم کر دیا۔ یہ لوگ بصرہ سے کراچی و سورت تے ہوئے اپنے جہاز ملیبار تک لایا کرتے تھے۔ یہ جہاز اندرون بحر میں داخل ہونے سے اجتناب کرتے اور سمندر کے کنارے کنارے چلا کرتے تھے۔ لہذا بہت سے مقام ان کے قیام و آرام کا نشیمن بن گئے تھے۔ اور ان کے

تعلّقات روزافزوں ترقی کے ساتھ بڑھ رہے تھے۔

۲- ان جہازرانوں کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھتی رہی۔ اور ان کی دولت وتمول کی داستان بھی مبالغہ کے ساتھ ملک میں پھیلنے لگ گئی۔ حتیٰ کہ حکمرانِ سندھ نے ان کو دق کرنا شروع کر دیا۔ ان پر بھاری بھاری ٹیکس لگائے۔ اور ان کی کُھلی تجارت پر بیجا قیود کا اضافہ کیا۔ اور پھر جور وستم یہاں تک بڑھ گیا۔ کہ کئی دفعہ جہازوں کو لُوٹا گیا۔ اور معزز تاجروں کو مزید جرمانہ وتاوان کے لئے محبوس رکھا گیا۔ یہ واقعات عبدالملکؒ اموی کے عہد سلطنت کے ہیں۔

عبدالملک بھی قریشی ہی تھا۔ وہ تجارت کی قدر وقیمت کو سمجھتا تھا۔ وہ جانتا تھا۔ کہ اپنی قوم کے تاجروں کی اگر وہ حفاظت نہ کریگا۔ تو خود اس کا تخت معرضِ خطر میں آجائے گا۔ لہٰذا اس نے اپنے گورنر بصرہ وکوفہ یوسف بن حجاج ثقفی کو تادیبی مہم روانہ کرنے کا حکم دیا۔

یوسف حجاج اگرچہ ظلم کا پتلا تھا۔ لیکن امورِ خارجہ میں وہ زبردست مدبّر تھا۔ اس نے محمدؒ بن قاسمؒ کو نہایت بہادر اور ساز وسامان سے مکمّل لشکر کے ساتھ سندھ روانہ کیا۔ اس لشکر کشی کا مقصد صرف تادیب اور بحری خطرات کو اسلامی تجار کے سامنے سے ہٹا دینا تھا۔

محمد بن قاسم نے داہر راجہ کا ملک ایسی سرعت سے فتح کرلیا۔ کہ اطراف وجوانب کی حکومتوں پر رعب چھا گیا۔ اس نے سب سے معاہدات کئے۔ اور مفتوحہ ملک کا انتظام اسی کے ہاتھ میں چھوڑ کر وطن کو واپس چلا گیا۔ جانے سے پیشتر اس نے ملتان کو مرکزِ اشاعتِ اسلام بھی مقرر کر دیا تھا۔ اس مرکز میں آہستہ آہستہ کام ہوتا رہا۔

عمر بن عبدالعزیز اموی نے جو نیک اور صالح حکمران اور مجدد مأتہ اول کے لقب سے ملقب تھے اپنی خلافت کے ایّام میں حکمرانِ سندھ کو دعوتِ اسلام دی۔ فرامین بھیجے۔ اور اس نیک بادشاہ کے فرامین نے سینکڑوں اشخاص کو ایمان اور عمل صالح کا آشنا بنایا۔

یہ جملہ واقعات پہلی اسلامی صدی کے ہیں۔ بحری تجارت کے کُھل جانے کے بعد عرب تجار کی آمد ورفت جنوبی ہندوستان تک بکثرت ہوگئی تھی۔ انہوں نے مالابار کو تجارت نیز اشاعت کا مرکز بنایا۔ اور جزائر لکادیپ۔ ومالدیپ تک اسلام کو ایسی خوبی سے پہنچایا کہ وہاں کا راجہ بھی مسلمان ہوگیا۔

عرب سوداگر نومسلم عورتوں کو اپنی خاندان کی خواتین کا درجہ دے کر ان سے ازدواج کر لیتے تھے۔ اور خویشی وقرابت کے نتائج اشاعتِ دین میں بھی ممد ومعاون بن جاتے تھے۔ ان مسلمان تجار سے ہندو

مہاراجگان عموماً خوش رہتے تھے۔

(۱) اس لئے کہ ان کی تجارت بہبودیٔ ملک اور ترقی مردم شماری اور افزونی دولت کا سبب تھی۔

(۲) نیز اس لئے کہ یہ تجار ملک کے اندرونی انتظام یا مراسم میں ذرا بھی مداخلت نہ کرتے تھے۔

طرفین کی یہ سلامت روی اسلام کو اس نواح میں زیادہ روشناس کر رہی تھی۔

۳۔ دوسری صدی ہجری میں اسلام جزیرہ سیلون تک اسلامی سیاحوں کے دم قدم سے پہنچ گیا۔ ایسے سیاحین میں شیخ شریف بن ملک اور ان کے برادر خورد ملک بن دینار زیادہ ممتاز ہیں۔ انہی کی ہدایت سے راجہ مسلمان ہوا۔ اور مسلمان ہوتے ہی حج کو روانہ ہو گیا۔ اور عرب ہی میں واصل بحق ہوا۔

اس کی آخری وصیت کی تکمیل اس کے جانشینوں نے پوری صداقت سے کی اور مسلمان مبلغین کو منگلور مانگور، کنجر کوٹ وغیرہ میں تبلیغ کرنے اور مساجد بنانے کی اجازت دے دی۔ یہی وہ زمانہ ہے۔ جب موپلا قوم کے باشندے بھی داخل اسلام ہوئے تھے۔

۴۔ اس طرف کے دلچسپ حالات کو چھوڑ کر اب ہم شمال مغربی ہند کی سرحد کی بابت کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں۔

چوتھی صدی ہجری کے شروع تک ہندوستان کے اس سرحدی علاقہ پر اشاعت اسلام کے آثار نمایاں نہ تھے۔ یہ سچ ہے۔ کہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد (۳۳ھ ہجری) میں اسلام کے قدم خراسان و ماوراء النہر میں استحکام کے ساتھ جم گئے تھے۔ یہ سچ ہے۔ کہ کابل کو بھی عبدالرحمن قریشی العبشمی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۵۰ھ ہجری) نے ۲۳ھ ہجری میں اپنی تبلیغ و انذار سے حلقہ بگوش اسلام کر لیا تھا۔ تاہم خاص حدود ہند پر اسلامی آثار ہنوز نمودار نہ ہوئے تھے۔ ۳۳ھ ہجری کے بعد اسلام بتدریج ان اقوام میں پھیلتا رہا۔ جو آج بھی آزاد اقوام کے نام سے مشہور ہیں۔

خراسان سے آگے بڑھ کر اسلام غزنی میں پہنچا۔ اور غزنی میں آل سبکتگین کی سلطنت قائم ہونے سے ان لوگوں کا مذہبی مرکز غزنی بن گیا۔

۶۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان آزاد قبائل پر مہاراجہ لاہور کو اخلاقی سیادت یا خیالی استحقاق حکومت حاصل تھا۔ مہاراجہ نے ان آزاد قبائل میں اس مذہبی انقلاب کو اپنے پولٹیکل حقوق سے متناقض خیال کیا۔ اس نے اسلامی تحریک کو نابود کر دینا اور غزنی کو جو ان اقوام کا مذہبی مرکز بن رہا تھا۔ فتح کر لینا ضروری سمجھا۔ جن ریاستوں کا لاہور سے اتحاد تھا۔ انہوں نے بھی ساتھ دیا۔ اور درہ خیبر کی راہ سے چڑھائی کر دی گئی۔ سبکتگین زندہ تھا۔ وہ اس جرار لشکر کا مقابلہ کرنے کی نہ طاقت رکھتا تھا۔ اور نہ مقابلہ کے لئے کچھ تیاری کا موقعہ ہی ملا تھا۔ حملہ آور لشکر بلا تکلف اس سلسلہ کوہ تک بڑھتا چلا گیا۔

۔ بعد میں کوہ ہندوکش کے نام سے مشہور ہوا۔ بظاہر نظر آتا تھا۔ کہ یہ جرار لشکر غزنی کی نوخیز حکومت کو ملیا میٹ کر دیگا۔ اور اپنے دلی ارادوں کے موافق پوری کامیابی کے ساتھ واپس ہو گا۔ لیکن آسمانی برف و تگرگ نے حملہ آور قوی دشمن پر حملہ کر دیا۔ ان افواج نے کبھی برف و تگرگ سے جنگ نہ کی تھی۔ لہٰذا ہزاروں مارے گئے ہزاروں بے کار ہو گئے۔ سینکڑوں قید ہوئے۔ ان میں خود راجہ بھی شامل تھا۔

بعد ازاں راجہ کے ساتھ معاہدہ صلح کیا گیا۔ اور تاوان جنگ کا تعین ہوا۔ راجہ کو لاہور جانے کی اجازت دی گئی۔ اور چند افسر دربار غزنی سے وصولی تاوان جنگ کے لئے ہمراہ کر دیئے گئے۔ دار السلطنت میں پہنچ کر راجہ نے معاہدہ کو ردّی کاغذ کا پرزہ قرار دیا۔ اور ان افسروں کو قید کر دیا۔

یہ پہلا موقعہ تھا۔ کہ مسلمانوں میں ہندوستان کا رُخ کرنے کے لئے جوش پیدا ہوا۔ وہ صرف یہ چاہتے کہ اپنے قیدیوں کو آزاد کر سکیں اور حملہ آور دشمن کے حملوں کا انسداد بھی ہو جائے۔ تاریخ ہندوستان میں اس حرکت کا نام محمود کا پہلا حملہ لکھا گیا ہے۔

دربار غزنی اپنے حملہ کی صحت کو باور کرتا تھا۔ وہ اپنے افسروں کو قید سے چھڑانا اخلاقاً و قانوناً فرض سمجھتا تھا۔ اور فریق ثانی کو معاہدہ پر پابند کرنا اپنی حیات و ممات کا مسئلہ جانتا تھا۔ لہٰذا وہ ایسے جوش سے بڑھے جو مدافعت کرنے والوں میں مفقود تھا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ محمود کامیاب ہو گیا۔ اس نے اپنے افسروں کو بھی رہا کرایا۔ تاوان جنگ بھی وصول کیا۔ اور معاہدہ شکن راجہ گدی سے اُتار دیا۔ اور اسی کے خاندان کے قریب ترین شخص کو مسند حکومت پر بٹھلا کر واپس چلا گیا۔

۶۔ محمود کے دوسرے حملوں کی نسبت کچھ لکھنا اس مضمون کی حدود سے باہر ہے۔ لیکن جو طالب علم واقعات تاریخی کو اسباب و علل ۔ ۔ ۔ پر منحصر سمجھتے ہیں۔ انہیں یہ بتا دینا ضروری ہے۔ کہ آج تاریخ نگاری کے لئے یہ فن اصل الاصول بن گیا ہے۔ اور ہر ایک محقق اسی اصول پر چلتا ہوا صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے۔ کہ اوّل ایک فہرست ان حکمرانوں کی تیار کر لی جائے۔ جو لشکر لاہور کے حملہ اوّلین میں شامل تھے۔ نیز ایک فہرست ان حکمرانوں کی تیار کر لی جائے جو محمود کے پہلے حملہ کے وقت حکمران لاہور کی امداد کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ہر دو فہرست کو سامنے رکھ کر وہ غور کریں۔ کہ محمود کا کوئی ایسا حملہ بھی ہے جس میں ان ایگریسرز (متحدین) کا تعلق نہ ہو۔

۷۔ الغرض یہ پہلا موقعہ تھا۔ کہ صوبہ شمال مغرب کے ہندو مسلمانوں سے اور سرحد پار کے مسلمان ایں روئے دریائے انڈس کے باشندوں (ہندوؤں) سے واقف ہوئے۔ دونو قوموں کی آمد و رفت کے لئے شاہ راہ اعظم کھل گئی۔ ہندوؤں کے بہت سے خاندان تجارت کے لئے سرحد پار گئے۔ اور آج تک ان کی بقایا نسل وہاں موجود ہے۔

اسی طرح مسلمانوں کی شریف ترین نسلوں کے سینکڑوں خاندان پنجاب میں آبسے اور آباد ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان شریف اقوام کی آبادی پنجاب میں بمقابلہ دیگر صوبہ جات بڑھی ہوئی ہے۔ باہمی تعلقات کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اسلام اس علاقہ میں پھیل گیا۔

۸۔ ہم نے محمد بن قاسم کے تذکرہ میں ملتان کا ذکر کیا تھا۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ محمود کے سب حملے ہندو ہی کے خلاف نہ تھے۔ ملتان پر اس کا حملہ ایک مسلمان حکمران کے خلاف تھا۔ اور یہ حملہ خاص خلیفہ بغداد کے حکم کے تحت میں تھا۔ کیونکہ قرامطہ نے ملتان کو اپنی بدعات کا۔ نیز خلیفہ کے خلاف بغاوت کا مرکز بنا رکھا تھا۔

ان تصریحات بالا سے ایک متجسس کو پتہ لگ جائیگا۔ کہ محمود کے حملوں سے پیشتر سندھ اور ملتان میں نیز بمبئی اور مدراس کے سواحل پر اسلام پھیل چکا تھا۔ اور بنگال سے سراندیپ تک اشاعت و دعوت کا کام کامل صلح اور حقیقی آشتی کے ساتھ ہو رہا تھا۔

۹۔ اس قدر حوالہ جات کے بعد اندرون ملک میں اشاعت اسلام کی وجوہات کا معلوم کر لینا بالکل سہل ہو جاتا ہے۔

درہ خیبر۔۔۔ کی سڑک سے جو ہندوؤں اور مسلمانوں نے حملہ کے لئے تیار کر دی تھی۔ داعیان اسلام بھی ترکستان۔ غزنی۔ ہرات۔ کابل بخارا۔ ایران سے ہندوستان میں آئے۔ اور انہوں نے اپنے اعلیٰ اوصاف۔ برترین اخلاق۔ صداقت اور دیانت سے وہی درجہ حاصل کر لیا۔ جو اس ملک کے باشندگان کے دل میں معزز جوگیوں۔ سنیاسیوں۔ باکمال پنڈتوں اور مرتاض زاہدوں کا تھا

مناسبت مقام سے میں اس جگہ چند بزرگوں کا جو داعیان اسلام کی حیثیت رکھتے ہیں ذکر کرونگا۔

الف۔ سنام میں ایک پیر صاحب معروف "پیر بنا نبوی" کی قبر ہے یہاں کے مجاور کا بیان ہے۔ کہ یہ حضرت شریف زندنی کے خلیفہ تھے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ان کے ورود کا زمانہ بالضرور محمود سبکتگین کے حملہ سے پیشتر کا ہے۔

ب۔ مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جو عوام کی زبان پر داتا گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں۔ لاہور میں پانچویں صدی میں پہنچ گئے تھے۔ اور ان کی تبلیغ سے پنجاب کے نو مسلموں کا سلسلہ دامان کوہ شوالک اور ملتان تک پہنچ گیا تھا۔

ج۔ سید اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ شہاب الدین غوری کے حملہ اول سے پیشتر آئے تھے۔ اور انہوں نے لاہور میں ٹھیر کر تبلیغ کو بہت زیادہ وسعت دی تھی۔

د۔ شیخ بہاء الدین ملتانی جو شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے ہیں۔ بدعات قرامطہ کے زائل کرنے اور اسلام حقہ کی اشاعت کرنے میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔

ہ۔ سید معین الدین حسن سنجری اجمیری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۔ رجب ۶۳۲ھ ہجری) وہ بزرگ ہیں جنہوں نے یو پی۔ راجپوتانہ۔ دکن۔ بہار میں تنظیم کے سلسلہ میں تبلیغ کو شروع کیا۔

و۔ ان کے مرید خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ربیع الاول ۶۳۵ھ ہجری) دہلی میں خود خواجہ صاحب اجمیر میں اس تنظیم کی نگرانی کرتے تھے۔

ح۔ قطب صاحب کے خلیفہ بابا فرید شکر گنج فاروقی (المتوفی ۶۶۸ھ ہجری) نے پاک پٹن کو اپنا مرکز بنایا۔ اور اپنے تین مشہور خلفاء کو تین مشہور مقامات میں ٹھیرا کر خواجہ بزرگ کے طریق کو محکم و مضبوط کیا

(۱) حضرت نظام الدین اولیاء دہلی ہیں۔

(۲) مخدوم علی صابر رح رڑکی میں۔

(۳) قطب جلال الدین رح صاحب صوبہ آگرہ میں۔

ط۔ سلسلہ نظامیہ میں سید محمد گیسو دراز وہ بزرگ ہیں جنہوں نے دکن میں ٹھیر کر پونا کو اسلام سے روشناس کرایا۔ اور سید یحییٰ منیر نے اودھ کو صداقت اسلام کا پیرو کیا۔

ان بزرگوں اور آن اشباہ دیگر بزرگان دین کو بعض اوقات مسلمان بادشاہوں کی بدگمانی کا ہدف اور مبتلائے مصائب بھی ہونا پڑا۔ لیکن اللہ کے بندے للہیت کے ساتھ اس کام میں برابر مشغول رہے۔

ی۔ مخدوم جہاں جہانیاں گشت کے کارنامے آج تک سکھر زمین کو یاد ہیں۔

ک۔ کاشمیر میں اشاعت اسلام سید علی ہمدانی اور درویش بلبل شاہ کی خدمات کا نتیجہ ہے۔

ل۔ بہتر ہے کہ ایک چشم دید شہادت بھی لکھ دوں۔ شیخ عبید اللہ صاحب ولد دیوان گوٹی مل صاحب اپنی ذاتی تحقیقات سے مسلمان ہوئے۔ اور ہزاروں روپیہ کے مکانات و اراضیات زرعی و سکنی حقوق کو جو ریاست نابھہ و پٹیالہ میں ان کو حاصل تھے۔ ترک کیا اور اشاعت اسلام میں کمربستہ ہو گئے۔ مرحوم مذہباً اہلحدیث تھے۔ ان کے کام میں بدعتی لوگ بھی حارج تھے۔ تاہم ۴۶ سال متواتر تبلیغ کرتے ہوئے مرحوم نے یکم رمضان ۱۳۱۰ھ ہجری کو انتقال فرمایا۔ رحلت سے پیشتر قریباً ۳۷۵ خاندانوں کو مشرف باسلام کر چکے تھے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

۱۰۔ اب اس مضمون پر غور کرنے والے کو مکرر توجہ کرنا چاہیئے۔ کہ بصرہ سے مالابار و سراندیپ تک کا علاقہ اسلام سے مستفیض ہو رہا تھا۔ اور ہندوستان میں اسلامی حکومت کا قیام اس سے تقریباً پانچ صدیوں

کے بعد ہوا تھا۔

اسلام بنگال اور مدراس میں ترقی پذیر تھا۔ اور یہ علاقہ اس وقت ہندو خود مختار حکمرانوں کے ماتحت تھا۔ اور یہ مسلّمہ ہے۔ کہ اس طرف کوئی مسلمان حملہ آور نہ پہنچا تھا۔

بنگال و مدراس میں اسلام نہ صرف رعایا ہی میں دل پسند ہو رہا تھا۔ بلکہ ہندو راجے خود بھی متعدّد مقامات پر مسلمان ہوئے تھے۔ اور اس بے تعصّبی اور آزادی رائے کے ساتھ کہ مسلمان راجہ کا جائز جانشین ہندو رہ کر اس کے بعد مسند آرائے حکومت ہوتا تھا۔

جب دعوت کی تاثیر اور اشاعت کے حالات حسب صراحت بالا ہیں۔ تو نتیجہ صاف ہے۔ کہ پنجاب اور یو۔پی میں اشاعت بھی انہی اصول پر ہوئی۔ اور یہ اشاعت مسلمان بادشاہوں کی عنایات کی ہرگز رہین منت نہیں۔ خصوصاً جبکہ ملتان سندھ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ تو عرب سے آنے والوں کے لئے یہی راستہ شاہراہ اعظم تھا۔ جو سندھ۔ ملتان۔ بٹھنڈہ۔ حصار ہوتا ہوا دہلی کو جاتا تھا * (از مقالۂ جناب منصور پوری)

ہندوستان کی آئینی ترقی کی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ

ہندوستان کے برطانیہ کے ساتھ تعلّقات قائم ہوئے ڈیڑھ سو سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی:۔ سترھویں صدی کی ابتدا میں انگریزوں کو ہندوستان میں پہلے پہل قدم رکھنے کا موقعہ ملا۔ اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی نے جو کہ ایک تجارتی جماعت تھی۔ ہندوستان میں اپنا کاروبار شروع کر دیا۔ شہنشاہ شاہ عالم نے ۱۷۶۵ء میں کمپنی کو بنگال۔ بہار اور اڑیسہ کے دیوانی کے حقوق عطا کئے۔ اسی وقت سے ہندوستان میں برطانیہ کو سیاسی عروج حاصل ہونے لگا۔ اس کے بعد کمپنی کے ایڈمنسٹریشن اور پالیسی پر پارلیمنٹری کنٹرول کی ضرورت محسوس کی گئی۔ آخر کار بہت سے تبادلۂ خیالات کے بعد ۱۷۷۳ء میں ریگولیٹنگ ایکٹ پاس کر کے برطانیہ کو ہندوستان کے معاملات میں دخل دینے کا موقعہ حاصل ہو گیا۔

چارٹر ایکٹ ۱۸۳۳ء:۔ چارٹر ایکٹ ۱۸۲۳ء سے کمپنی کے آئین دستور العمل کی نوعیت میں بھاری تبدیلی آ گئی۔ اس ایکٹ کی رو سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو تو اپنا تجارتی کاروبار بند کرنے کی تاکید کی گئی۔ لیکن ساری سول اور ملٹری حکومت گورنر جنرل اور اس کی کونسل کی زیر نگرانی رکھی گئی۔ اور کمپنی کو مزید بیس سال کے لئے ملک معظم

کی طرف سے بطور امین کام کرنے کا موقعہ دیا گیا۔ اور ساتھ ہی یہ ہدایت دی گئی۔ کہ آئندہ کسی ہندوستانی کو مذہب نسل اور رنگت کی بنا پر کسی عہدہ یا سرکاری آسامی سے محروم نہ رکھا جائیگا۔

چارٹر ایکٹ ۱۸۵۳ء:۔ آخری چارٹر ایکٹ ۱۸۵۳ء میں پاس کیا گیا۔ اس میں بیس سال کی سابقہ میعاد کی تجدید تو نہ کی گئی لیکن ہندوستان کا انتظام ملک معظم کے امین کی حیثیت سے کمپنی کے حوالے کیا گیا۔ ہاں اتنی تبدیلی ضرور کی گئی۔ کہ ۱۲ سرکاری افسروں کی ایک لیجسلیٹو کونسل گورنر جنرل کی مدد کے لئے بنائی گئی۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو برٹش پارلیمنٹ کے ماتحت سیاسی۔ انتظامیہ اور ملٹری معاملات پر اقتدار بخشا گیا۔ گویا پروفیسر کیتھ کے قول کے مطابق ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کو جو اقتدار حاصل رہا۔ وہ کچھ تو فتح کی بنا پر تھا۔ اور کچھ معاہدہ جات اور عطایات کی بنا پر۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۸۵۸ء:۔ ۱۸۵۷-۵۸ء کے غدر کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت تاج برطانیہ کو برٹش انڈیا پر پورا پورا اور ڈائرکٹ کنٹرول ہو گیا۔ اور آج تک کورٹ آف ڈائرکٹرز یا بورڈ آف کنٹرول کو جو اختیارات حاصل تھے۔ وہ وزیر ہند کو تفویض کئے گئے۔ اور اس کی مدد کے لئے پندرہ ممبروں کی ایک کونسل موسومہ بہ انڈیا کونسل قائم کی گئی۔ وزیر ہند کو انڈیا کونسل کا صدر بنایا گیا۔ ہندوستانی مالیات کا مصارف وزیر ہند بہ اجلاس کونسل کے سپرد کیا گیا۔

ملکہ وکٹوریہ کا اعلان:۔ ہندوستان کی حکومت کی باگ سنبھالتے ہوئے ملکہ وکٹوریہ نے ہندوستان کے والیان اور باشندوں کے نام ایک شاہی اعلان نکالا۔ کہ برٹش گورنمنٹ مذہب کے معاملات میں غیر جانب دار رہے گی۔ اور ہندوستانیوں کو بلا لحاظ مذہب اور ملت سرکاری آسامیاں دی جائیں گی۔ آئندہ کسی علاقہ کو برٹش حکومت میں شامل نہیں کیا جائیگا۔ اور والیان ریاست ہائے کو اپنے اندرونی معاملات میں پورا پورا اقتدار حاصل ہوگا۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ اُن کے جو معاہدے ہو چکے ہیں اُن کو منظور کیا جائے گا۔ اور اُن پر عمل درآمد کیا جائے گا۔ ایکٹ ۱۸۵۸ء پر شاہی منظوری کی مہر ۳ اگست کو ثبت کی گئی۔ اس کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کو ۱۸۷۴ء میں توڑ دیا گیا۔

انڈیا کونسل ایکٹ ۱۸۶۱ء:۔ ۱۸۶۱ء میں جو انڈیا کونسل ایکٹ پاس کیا گیا۔ اس کی رُو سے حکومت ہند میں اہم تبدیلیاں کی گئیں۔ گورنر جنرل کی ایگزکٹو کونسل کے پانچ ممبر بنائے گئے۔ ان میں سے ایک بیرسٹر یا ایڈووکیٹ ہوگا۔ جو کہ پانچ سال تک برابر پریکٹس کرتا رہا ہو۔ اس کے سوائے ایک لیجسلیٹو کونسل قائم کی گئی۔ اس کے ممبران کی تعداد چھ سے لے کر بارہ تک ہو سکتی تھی۔ جن کو گورنر جنرل ہی نامزد کر سکتا تھا۔ ان ممبروں میں سے نصف کے قریب غیر سرکاری ممبران تھے۔

کونسل ایکٹ سنہ ۱۸۹۲ء:۔ سنہ ۱۸۸۵ء میں کانگرس نے جنم لیا۔ اس کی سرگرمیوں کی وجہ سے سنہ ۱۸۹۲ء میں کونسل ایکٹ پاس کیا گیا۔ اس کی رو سے مرکزی اور صوبجاتی کونسلوں کے ممبران کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔

گورنر جنرل کی کونسل میں ایڈیشنل ممبروں کی تعداد ۱۲ کی بجائے ۱۶ کر دی گئی۔ ممبران کو نامزد کرتے وقت گورنر جنرل نے ایسا طریق کار اختیار کیا۔ جس سے انتخاب کا رواج پڑ گیا۔ مرکزی اور صوبجاتی کونسلوں کو یہ اختیار دیا گیا۔ کہ وہ سالانہ بجٹ پر بحث کر سکتی ہیں۔ اور ممبران خاص معاملات میں سوالات بھی پوچھ سکتے ہیں پراونشل کونسلوں کو یہ اختیار دیا گیا۔ کہ وہ گورنر جنرل کی منظوری سے گورنر جنرل کی کونسل کے ایسے ایکٹ تبدیل یا منسوخ کر سکتی ہے۔ جن کا اُن کے صوبجات پر اثر پڑتا ہے۔

مارلے منٹو ریفارم سکیم:۔ انڈین کونسل ایکٹ سنہ ۱۹۰۹ء نے مرکزی اور صوبجاتی لیجسلیچروں اور ایگزیکٹو حکومتوں میں بڑی بھاری تبدیلیاں کر دیں۔ اس ایکٹ کو منٹو مارلے ریفارم سکیم کا نام دیا گیا ہے۔ کیونکہ ایسے لارڈ منٹو گورنر جنرل اور مسٹر مارلے وزیر ہند کے زمانہ میں پاس کیا گیا تھا۔ اس ایکٹ کو قانونی جامہ پہناتے ہوئے تین سال صرف ہوئے۔ ہندوستانیوں کو گورنمنٹ کے کام میں شامل کرنے کی پالیسی کو اس طرح عملی جامہ پہنایا گیا۔ لارڈ سنہا کو گورنر جنرل کی کونسل کا ممبر بنایا گیا۔ اُن سے پہلے دو ہندوستانیوں کو وزیر ہند کی کونسل کا ممبر بنایا گیا تھا۔ اور کچھ ہندوستانیوں کو بنگال۔ بمبئی۔ مدراس۔ بہار و اڑیسہ کی ایگزیکٹو کونسلوں میں بھی شامل کیا گیا۔

دہلی دربار:۔ ۱۲ دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء کو دہلی میں شاہ جارج پنجم کا دربار تاجپوشی منعقد ہوا۔ اس سے پہلے انگلستان میں جشن تاجپوشی منایا گیا تھا۔ اس دربار میں شاہ جارج خود شامل ہوئے۔ یہ پہلا موقعہ تھا۔ کہ ایک انگریز بادشاہ نے ہندوستان کا معائنہ کیا تھا۔ دربار میں بادشاہ نے فرمایا کہ تقسیم بنگال منسوخ کر دی گئی ہے۔ بہار۔ اڑیسہ کو ایک نئے لیفٹیننٹ گورنر کے ماتحت رکھا گیا ہے۔ اور آسام کو چیف کمشنر کے ماتحت اور آئندہ کے لئے ہندوستان کا دارالسلطنت کلکتہ کی بجائے دہلی مقرر ہوا۔

نئی آئینی کونسلیں:۔ نومبر سنہ ۱۹۰۹ء کے ریگولیشن کی سنہ ۱۹۱۲ء میں نظر ثانی کی گئی۔ گورنر جنرل ہند کی لیجسلیٹو کونسل کے ممبران کی تعداد ۶۹ کر دی گئی۔ اُن میں سے ۹ سرکاری اور ۲۸ نامزدہ ممبران بھی جن میں ۲۸ ممبران سرکاری افسران تھے۔ شامل تھے۔ گویا گورنر جنرل کی کونسل میں سرکاری ممبران کی اکثریت تھی۔ پراونشل کونسلوں میں ممبران کی تعداد بڑھائی گئی۔ بڑے بڑے صوبجات میں تو ۵۰ سے زائد ممبران تھے۔ اور چھوٹے چھوٹے صوبجات میں تیس ممبران اور اُن کی تقسیم ایسے طریق سے کی گئی تھی۔ کہ صوبجاتی کونسلوں میں سرکاری ممبران کی اکثریت تھی۔ ہاں بنگال میں غیر سرکاری ممبران قدرے زیادہ تھے۔ اس کے ساتھ

مسلمانوں کے لئے جداگانہ نیابت رائج کی گئی۔ اور ساتھ ہی مختلف مفاد اور جماعتوں کے نمائندے بھی شامل کئے گئے۔

۱۹۱۷ء کا اعلان:۔ جنگ یورپ کے شروع ہوتے ہی تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کے اندر دن بدن مزید اصلاحات کا مطالبہ بڑھتا گیا۔ ممبران امپریل کونسل کا میمورنڈم۔ کانگرس اور مسلم لیگ کی کارروائیاں معاہدہ لکھنؤ ۱۹۱۷ء اس بات کے مظہر تھے۔ کہ ہندوستانی مزید اصلاحات کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ۲۰ راگست ۱۹۱۷ء کو آنریبل مانٹیگو وزیر ہند نے پارلیمنٹ میں یہ اہم اعلان کیا۔ کہ آئندہ برٹش ایمپائر کے اندر ہندوستان کو ذمہ وار حکومت دی جائے گی۔ اس پر گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء مرتب ہوا جسے اپریل ۱۹۲۱ء میں عملی جامہ پہنایا گیا۔

مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ:۔ گورنمنٹ انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء زیادہ تر انڈین کانسٹی ٹیوشنل اصلاحی کمیٹی ۱۹۱۸ء کی رپورٹ پر مبنی تھا۔ یہ ایکٹ مسٹر مانٹیگو وزیر ہند اور لارڈ چیمسفورڈ کی متحدہ کوششوں کا نتیجہ تھا۔ یہ رپورٹ چار اصولوں کی حامی تھی۔ ایک تو یہ کہ لوکل باڈیوں میں عوام کے نمائندوں کو مکمل کنٹرول حاصل ہونا چاہیئے۔ دوئم یہ کہ صوبجات میں ذمہ وار حکومت بتدریج مروج کی جانی چاہیئے۔ تیسرا یہ کہ وہ زیادہ نمائندہ بن سکے۔ اور گورنمنٹ اپنا اثر ڈال سکے۔ اور برٹش پارلیمنٹ کے آگے سرتاسر ذمہ وار رہ سکے۔ چہارم یہ کہ صوبجاتی حکومتوں اور حکومت ہند پر سے وزیر ہند اور برٹش پارلیمنٹ کنٹرول آہستہ آہستہ ڈھیلا ہونا چاہیئے۔

ایکٹ ۱۹۱۹ء کی رو سے ہندوستان کو کسی حد تک مالی آزادی دی گئی۔ اپریل ۱۹۲۰ء سے پہلے وزیر ہند کی تنخواہ ہندوستان کے خزانہ سے دی جاتی تھی اس کے بعد سے وزیر ہند پر برٹش پارلیمنٹ کا کنٹرول غیر حقیقی ہو جاتا تھا۔ اب اس کی تنخواہ کی کفیل برٹش پارلیمنٹ ہے۔

کونسل آف انڈیا:۔ کریو کمیٹی کی سفارشات کے باوجود کونسل آف انڈیا قائم رہی۔ اس کے آٹھ سے لے کر بارہ تک ممبران ہیں۔ ان میں سے بعض ہندوستانی ہیں۔ نصف ممبران کو ہندوستان کا تجربہ حاصل ہے۔ ایک ممبر پانچ سال تک کونسل میں رہتا ہے۔ اب سرکاری سٹورز کی خرید کا معاملہ ہائی کمشنر کے سپرد کیا گیا ہے۔ یہ نئی آسامی اگست ۱۹۲۰ء میں آرڈر میں کونسل کی رو سے پیدا کی گئی تھی۔

گورنمنٹ کی مشینری:۔ مرکزی گورنمنٹ میں گورنر جنرل اور اس کے سات وزراء ہیں۔ گورنر جنرل فارن اور پولیٹیکل محکمہ کا انچارج ہے۔ اور وائسرائے کی حیثیت میں والیان اور حکومت کے درمیان لڑی کا کام دیتا ہے۔ ہندوستانی لیجسلیچر کونسل آف سٹیٹ اور لیجسلیٹو اسمبلی پر مشتمل ہے

۴۔ فروری سنہ ۱۹۲۱ء کو شاہی اعلان کی رُو سے نریندر منڈل قائم کیا گیا تھا۔ ڈیوک آف کناٹ نے اس کا افتتاح کیا تھا۔

نئے آئین کا نفاذ:۔ ستمبر سنہ ۱۹۲۵ء میں ہندوستان کی طرف سے قومی مطالبہ پیش کیا گیا۔ نومبر سنہ ۱۹۲۷ء کو لارڈ اروِن نے سائمن کمیشن کی قائمی کا اعلان کیا۔

ایکٹ سنہ ۱۹۲۹ء کے مطابق اس کمیشن نے سنہ ۱۹۲۹ء میں ہندوستان پہنچنا تھا۔ اور اس نے یہاں آکر ہندوستان کی طرزِ حکومت۔ تعلیم کی ترقی۔ اور دوسرے سیاسی انسٹی ٹیوشنوں کے ارتقا کے متعلق تحقیقات کرنی تھی۔ کمیشن کی رپورٹ کے پارلیمنٹ میں پیش ہونے پر گول میز کانفرنس کے تین اجلاسوں کا انعقاد ہُوا۔

سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کیا گیا۔ اور لارڈ برکن ہیڈ نے صلح کے پیش نظر آل پارٹیز کانفرنس کا اجلاس منعقد کیا۔ جس میں ایک سب کمیٹی ہندوستان کا آئین مرتب کرنے کے لئے بنائی گئی۔ اس نے جو آئین تیار کیا۔ وہ تاریخ میں نہرو رپورٹ کے نام سے مشہور ہے۔ اس رپورٹ کی اشاعت سے پہلے ہی لارڈ اروِن نے جو انگلستان سے تھوڑے دنوں کے بعد واپس آئے تھے۔ اعلان کیا۔ کہ مجھے حکومت برطانیہ نے یہ اعلان کرنے کا اختیار دیا ہے۔ کہ ہندوستان کا قدرتی منتہائے مقصود درجہ نو آبادیات ہے۔ اور کہ انڈین سٹیچوٹری کمیشن کی رپورٹ شائع ہونے کے بعد ایک گول میز کانفرنس بلائی جائے گی۔ جس میں ہندوستان کے لئے آئین تیار کرنے کے سوال پر بحث کی جائے گی۔ گو اس اعلان سے صورتِ حالات کچھ عرصہ کے لئے بہتر ہو گئی۔ مگر کانگرس نے گول میز کانفرنس میں انکار کر دیا۔ کیونکہ لارڈ اروِن یہ یقین نہ دلا سکے۔ کہ گول میز کانفرنس میں درجہ نو آبادیات کے کانسٹی ٹیوشن پر بحث کی جائے گی۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد مہاتما گاندھی نے سول نافرمانی کی تحریک چلا دی۔

گول میز کانفرنس:۔ گول میز کانفرنس کا پہلا اجلاس ۱۲۔ نومبر سنہ ۱۹۳۰ء کو شروع ہُوا۔ اس سے پیشتر سائمن کمیشن کی رپورٹ شائع ہو چکی تھی۔ گول میز کانفرنس میں برطانیہ کی طرف سے ۱۶ ڈیلی گیٹ شامل ہوئے۔ جن میں سے آٹھ لیبر پارٹی کے ممبر تھے۔ دیسی ریاستوں کے ۹ والیان ریاست اور ۷ وزراء تھے۔ برطانوی ہند کے جتنے ڈیلی گیٹ شامل ہوئے۔ ان میں کانگرس کا کوئی نمائندہ شامل نہیں تھا۔ کانفرنس مسٹر رامزے میکڈانلڈ وزیراعظم کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اور اجلاس کے آغاز میں ہی والیانِ ریاست نے اعلان کر دیا۔ کہ وہ انڈین فیڈریشن میں شمولیت پر رضامند ہیں۔ فیڈریشن میں صوبوں اور ریاستوں دونو کو شامل کرنے کی تجویز کی گئی۔ مگر صوبے خود مختار ہونگے۔ اور ریاستیں

بھی خود مختار ہونگی۔ اور اُن کے والیان ریاست اپنی جگہ پر خود مختار ہوں گے۔ ... ۱۹ر جنوری ۳۱ء کو کانفرنس کا اجلاس اس لئے ملتوی کر دیا گیا۔ کہ کوئی فرقہ دارانہ مصالحت کی صورت نکالی جائے۔ کانفرنس کے خاتمہ پر وزیر اعظم نے جو اعلان کیا۔ وہ لارڈ ارون کے اعلان سے کچھ مختلف تھا۔ اور اس میں درجہ نو آبادیات کی بجائے ذمہ دارانہ حکومت استعمال کیا گیا تھا۔

دوسری گول میز کانفرنس:۔ گاندھی ارون پیکٹ کے بعد گاندھی جی گول میز کانفرنس میں شمولیت کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر دوسری گول میز کانفرنس کے وقت جو ۳ر ستمبر ۳۱ء کو منعقد ہوئی۔ برطانیہ کی حکومت تبدیل ہو چکی تھی۔ لیبر گورنمنٹ کی جگہ نیشنل گورنمنٹ نے لے لی تھی۔ اور اس گورنمنٹ نے ہندوستان کے سوال پر ایک اور طریقے سے غور کرنا شروع کر دیا۔

کمیونل ایوارڈ:۔ دوسری گول میز کانفرنس کے خاتمے پر اعلان کے مطابق ۱۷ر اگست ۳۲ء کو مسٹر ریمزے میکڈانلڈ نے نئے آئین کے ماتحت صوبائی مجالس وضع آئین کے اندر مختلف فرقوں کی نمائندگی کے متعلق اعلان کیا۔ اسی اعلان کو عام طور پر کمیونل ایوارڈ کا نام دیا جاتا ہے اس ایوارڈ کی ایک شرط یہ بھی قرار دی گئی۔ کہ جب تک فرقہ دارانہ نمائندگی کے متعلق تمام فرقے مل کر کوئی متفقہ فارمولا پیش نہیں کرینگے تب تک اس ایوارڈ کو منسوخ یا اس میں ترمیم نہیں کی جائے گی۔ اس ایوارڈ کے اعلان کے بعد مہاتما گاندھی نے مون برت رکھ لیا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے۔ کہ اچھوتوں کو عام ہندوؤں سے الگ کیا جائے۔ اس پر ستمبر ۱۹۳۲ء میں پونا پیکٹ ہوا۔ جس پر برطانوی گورنمنٹ نے بھی منظوری کی مہر لگا دی۔ گول میز کانفرنس کا تیسرا اجلاس مختصر سا تھا۔ یہ اجلاس دسمبر ۳۲ء کو منعقد ہوا۔ اس میں اس قدر نمایندے بھی نہیں بلائے گئے تھے۔ جس قدر کہ پہلے دو اجلاسوں میں۔ اس اجلاس میں نہ تو کانگرس کا کوئی نمائندہ شامل ہوا۔ اور نہ ہی برطانیہ کی لیبر پارٹی نے اس میں کوئی حصہ لیا۔ اس میمورنڈم میں جو اس گول میز کانفرنس میں پیش کیا گیا۔ ہندوستان کو ذمہ وار حکومت دیئے جانے کے سلسلے میں کم از کم مطالبات پیش کئے گئے تھے۔ مگر اس میمورنڈم پر بھی کوئی توجہ نہ دی گئی۔

مارچ ۳۳ء میں وائٹ پیپر شائع ہوا۔ جس میں دکھایا گیا تھا۔ کہ ہندوستان کا کانسٹی ٹیوشن کس طرح مرتب کیا جائے گا۔ اس وائٹ پیپر سے واضح ہوتا تھا۔ کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء کو منسوخ کر دیا جائے گا۔ اور فیڈریشن کے خیال پر مبنی ایک نیا آئین ہندوستان کے لئے بنایا جائیگا۔ چنانچہ صوبوں کو خود مختاری دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ جہاں اسمبلیوں کے سامنے وزراء جواب دہ ہونگے۔ مگر گورنر بھی موجود ہوں گے۔ جن کو خاص اور غیر معمولی اختیارات حاصل ہونگے۔ اور جو جس وقت چاہیں گے۔ آئین میں

مداخلت کرسکیں گے۔ ان صوبوں اور ریاستوں کو ایک آل انڈیا فیڈریشن میں شامل کرنے کی تجویز کی گئی۔ والیانِ ریاست اندرونی معاملات میں تو خود مختار ہوں گے۔ مگر ان کے بیرونی معاملات کے کچھ حصہ پر فیڈرل لیجسلیچر کا کنٹرول ہوگا۔ گورنروں اور گورنر جنرل کو یہ بھی اختیار ہوگا۔ کہ وہ ہندوستان کے مالیات کو مستحکم رکھنے اور اس کے دیگر ممالک میں کریڈٹ کو قائم رکھنے کے لئے اپنے خاص اختیارات کو عمل میں لائے۔ وائٹ پیپر میں یہ بھی قرار دیا گیا ہے۔ کہ آئینی امور کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک فیڈرل کورٹ قائم کیا جائے۔ اور برطانوی ہند میں اپیلوں وغیرہ کے لئے ایک سپریم کورٹ ہو۔ وزیر ہند کی کونسل توڑ دی جائے گی۔ اور اس کی جگہ ایڈوائزری کونسل مقرر کی جائے گی۔ جو سروسز کے مفاد کی نگہداشت کریگی۔ اس کونسل میں پہلے کی نسبت کم ممبر ہوں گے۔

جائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی:۔ پارلیمنٹ کے دونو ہاؤسوں کی ایک مشترک کمیٹی جو عام طور پر جائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کے نام سے مشہور ہے۔ ہندوستان کے نئے آئین کی تشکیل کے لئے مقرر کی گئی۔ اس کمیٹی کے کل ۳۲ ممبر تھے۔ جن میں سے ۱۶ ہاؤس آف کامنز کے۔ اور ۱۶۔ ہاؤس آف لارڈز کے تھے۔ اس کمیٹی میں انگلستان کی تینوں پولٹیکل پارٹیوں کے نمائندے شامل تھے ہندوستان کے موجودہ وائسرائے لارڈ لنلتھگو اس کمیٹی کے صدر منتخب کئے گئے۔ اس کمیٹی میں ۲۱ برطانوی ہند۔ ۸ ہندوستانی ریاستوں کے اور ۱۲ نمائندے برما کے بھی شامل کئے گئے۔ مگر ان کی حیثیت اسیسروں کی سی تھی۔ وہ صرف گواہاں پر جرح کرسکتے تھے۔ اور جائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کو مشورہ دے سکتے تھے نہ تو اُن کو کسی معاملہ پر ووٹ دینے کا حق تھا۔ اور نہ ہی رپورٹ پر دستخط کرنے کا اور نہ ہی پارلیمنٹ کو کسی قسم کی رپورٹ پیش کرنے کا۔ اس کمیٹی میں متعدد میمورنڈم غور و خوض کے لئے پیش ہوئے۔ برٹش انڈین ڈیلی گیشن کے میمورنڈم کے علاوہ ہندوستانی ریاستوں کا میمورنڈم اور برمی لوگوں کا ایک میمورنڈم بھی تھا۔ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سر سیموئیل ہور کی شہادت متواتر ۹ دن ہوتی رہی جس کے دوران میں انہوں نے ۶ ہزار سوالات کے جواب دیئے۔ کمیٹی نے وائٹ پیپر کی تجاویز میں مندرجہ ذیل اہم ترامیم کیں۔

(۱) فیڈرل لیجسلیچرز کے دونو ہاؤس کے رعایات میں بالواسطہ طریق انتخاب کا اجرا (۲) بنگال۔ بہار اور یو۔پی کے علاوہ بمبئی اور مدراس میں بھی سیکنڈ چیمبر کا قیام (۳) پولیس تجارتی امتیاز اور ریزرو بنک کے متعلق تحقیقات کا زاید سخت کیا جانا (۴) پارلیمنٹ کو آرڈر ان کونسل کی ترتیب میں دخل دینے کا حق۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ:۔ گورنمنٹ آف انڈیا بل جائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کی سفارشات کے

عین مطابق بنایا گیا ہے۔ ۵؍فروری ۱۹۳۵ء کو ہاؤس آف کامنز میں اس کی پہلی خواندگی ہوئی۔ ۱۴؍فروری کو میجر ایٹلی لیڈر لیبر پارٹی نے تحریک پیش کی کہ ہندوستان کو ایسا آئین دیا جائے۔ جو ہندوستانیوں کی مرضی کے مطابق ہو۔ اور جس سے وہ درجہ نوآبادیات حاصل کر سکیں۔ مگر یہ تحریک نامنظور ہو گئی۔ کنسرویٹو ممبروں کے ایک طبقہ نے بھی جس میں مسٹر ونسٹن چرچل۔ سر سنہری پیج کرافٹ۔ سر الفریڈ ناکس اور سر ریجنالڈ کریڈرک بھی شامل ہیں۔ اس بل کی مخالفت کی۔ اور کہا کہ صرف صوبوں کو ہی ذمہ داری دی جائے۔ فیڈریشن کا قیام عمل میں نہ لایا جائے۔ مگر ان کی کوششیں بھی بیکار گئیں۔ ۶؍جون ۱۹۳۵ء کو یہ بل ہاؤس آف لارڈز میں پیش کیا گیا۔ ۲۴؍جولائی کو یہ بل وہاں سے پاس ہو کر لوگوں کے سامنے آیا۔ آخر کار ۲؍اگست کو یہ بل شاہی منظوری کے ساتھ ایکٹ بن گیا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ان تمام قوانین سے طول ترین ہے جو اسوقت تک پارلیمنٹ میں پیش ہوئے ہیں۔ پارلیمنٹ نے ۱۰ دن اس پر بحث کرنے میں گذارے۔ ایکٹ میں ابتدائی طور پر ۴۷۸ اور ۱۶ شیڈول تھے۔ مگر بعد میں اس کے دو حصے کر دیئے گئے۔ ایک گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے نام سے موسوم ہوا۔ اور دوسرا گورنمنٹ آف برما کے نام سے۔ پہلے حصہ میں ۳۲۱ سیکشن اور ۱۰ شیڈول ہیں اور باقی سیکشن اور شیڈول گورنمنٹ آف برما ایکٹ میں ہیں۔ (پرتاب)

اقریطش (کریٹ) قبرص (سائپرس)

سائپرس (CYPRUS) جسے عربی میں قُبرُص یا قُبرُس اور ترکی میں قبرس کہتے ہیں، ایک جزیرہ ہے بحر روم کے مشرق میں۔ ایام قدیم میں جب شام و مصر کے درمیان بحری سفر کیا جاتا تھا تو تمام جہاز اسی جزیرہ سے ہو کر گذرتے تھے، چنانچہ اسی طرح رفتہ رفتہ وہ تجارتی مرکز اور مصری و شامی تہذیب کا سنگم بن گیا تھا۔ تانبا یہاں کی خاص پیداوار تھی اور اسی لئے اسے قُبرُس کہنے لگے (عربی میں اچھے تانبے کو قُبرُس کہتے ہیں۔)

جب اسلام کی فتوحات وسیع ہونے لگیں تو یہ جزیرہ بازنطینی حکومت کے قبضہ میں تھا اور سب سے پہلے امیر معاویہ نے ۲۸ھ میں فوجی مہم یہاں روانہ کی اور بجائے بازنطینی حکومت کے یہ مسلم حکومت کا باجگذار بن گیا۔ کہا جاتا ہے کہ عبادہ بن الصامت کی بیوی ام حرام اسی مہم میں شہید ہوئی تھیں اور انکا مقبرہ اب بھی زیارتگاہ عام ہے۔

بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۳ھ میں دوسری فوجی مہم یہاں روانہ کی گئی اور زیادہ استحکام کے ساتھ مسلمانوں کی حکومت یہاں قائم ہوئی۔ لیکن امیر معاویہ کے بعد انکے جانشین یزید نے اس جزیرہ سے اپنا قبضہ اٹھا لیا اور اس کا خراج عرب اور بازنطینی حکومت میں برابر تقسیم ہو گیا۔ الغرض عہد بنی امیہ میں اس پر مستقل قبضہ کبھی مسلمانوں کا نہیں ہوا اور اس طرح اسکی حیثیت ایک طور سے خود مختارانہ قائم رہی سوائے اس کے کہ وہ بازنطینی حکومت اور عربوں کو

خراج ضرور ادا کرتا تھا۔ پھر چونکہ یہاں کی آبادی عیسائیوں کی تھی اس لئے قدرتاً انہیں بازنطینی حکومت سے زیادہ دلچسپی تھی اور اسی کی اخلاقی حکومت یہاں قائم تھی۔ عہد عباسیہ میں مسلمانوں کی گرفت اور زیادہ ڈھیلی ہوگئی اور ہر چند ہارون الرشید کے زمانہ میں اور اسکے بعد بھی فوجی مہمیں یہاں روانہ کی گئیں لیکن مستقل قبضہ کا خیال کبھی نہیں کیا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ آہستہ آہستہ بازنطینی اقتدار یہاں بہت بڑھ گیا۔ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ اس جزیرہ کو تجارتی مرکزیت حاصل تھی اور عرب و عیسائی حکومتوں کے جہاز یہاں لنگر انداز ہُوا کرتے تھے، سو اسکی یہ حیثیت بدستور قائم رہی اور سوائے اس کے کہ جس حکومت کا زیادہ اقتدار ہوتا تھا۔ اس کے جنگی جہاز بھی یہاں رہتے تھے۔ اور کوئی فرق کبھی پیدا نہیں ہُوا۔

نائس فورس فوکس (NICEPHOROS PHOCS) کے بعد جس نے سنہ ۹۶۳ء سے سنہ ۹۶۹ء تک یہاں حکومت کی یہاں پھر بازنطینی حکومت کا قبضہ ہوگیا۔

اسکے بعد جب سنہ ۱۱۹۱ء میں رچارڈ اوّل جنگی بیڑا ادھر سے گذرا تو اسحاق نامی ایک شخص یہاں حکمران تھا۔ چارڈ نے اس جزیرہ کو فتح کرکے ٹمپلرس کے ہاتھ فروخت کردیا اور انہوں نے لوسگنان کے گایڈ و کو دیدیا۔ اور ۴۰۰ سال تک یہاں فرنگیوں کی سلطنت قائم رہی۔ اس دوران میں یہاں بڑے بڑے گرجا اور قلعے تعمیر کئے گئے۔ یہ حکومت صلیبیین کی بڑی معاون تھی اور مصر و شام کی مملوک حکومت کے پہلو میں یہ زبردست خار کی حیثیت رکھتی تھی۔

مملوک حکومت کے بانی بیبرس اوّل نے ۶۷۹ھ (سنہ ۱۲۷۰ء) میں ایک بیڑہ روانہ کیا لیکن یہ تباہ ہوگیا۔ اسکے بعد وسط پندرھویں صدی عیسوی میں مملوکوں نے زیادہ اہتمام کے ساتھ اپنی گذشتہ شکست کا انتقام لینا چاہا اور متعدد لڑائیوں کے بعد مسلمانوں نے اس جزیرہ کو مفتوح کرلیا، لیکن مستقل قبضہ اب بھی نہیں کیا اور وہی باجگزارانہ حیثیت اسکی قائم رہی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وہاں پھر مقامی حکومت برسر اقتدار ہوگئی۔ اور لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

اسکے بعد ترکوں کے زمانہ میں سلطان سلیم ثانی نے اسکو مفتوح کرنا چاہا اور آخرکار ترکی حکومت کا یہاں اعلان ہوگیا اور سنہ ۱۸۷۸ء تک برابر انکا قبضہ یہاں قائم رہا۔ اسکے بعد جب اسی سال انگریزوں اور ترکوں کے درمیان معاہدہ ہُوا تو یہ جزیرہ انگریزوں کے سپرد کردیا گیا اور برائے نام ترکوں کا اقتدار یہاں باقی رہا چنانچہ اب یہ جزیرہ بالکل انگریزوں کے قبضہ میں ہے اور خوب آباد ہے۔

کریٹ (CRETE) کو عربی میں اقریطش کہتے ہیں مسلمانوں نے اوّل اوّل جب بازنطینی حکومت سے جنگ شروع کی تو اسی سلسلہ میں اس جزیرہ پر بھی انکا قبضہ ہوگیا (سنہ ۶۷۳ء) لیکن اس زمانہ کی تاریخ تقریباً تاریکی میں ہے اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ قبضہ عارضی تھا۔ اسکے بعد سنہ ۸۲۵ء میں ابو حفص عمر بن عیسیٰ بن شعیب مستقلاً اس پر قابض ہوگیا۔ ابوحفص اس جماعت کا سردار تھا جس نے قرطبہ کے فرمانروا الحکم کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور جو شکست کھاکر بحر روم کے سواحل پر قزاقانہ حملے کرا کرتا تھا۔

ہر چند بازنطینی حکومت نے بہت کوشش کی کہ وہ پھر قابض ہو جائے لیکن برابر ۱۳۰ سال تک مسلمانوں کا قبضہ اس پر قائم رہا۔ یہاں انہوں نے ایک نیا دار الحکومت بھی خندق کے نام سے تعمیر کیا جو بعد کو کنڈیا (CANDIA) ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ سارا جزیرہ اسی نام سے موسوم ہو گیا۔

۹۶۱ء میں نے بازنطینی جنرل نے کئی ماہ کے محاصرہ کے بعد اس جزیرہ کو فتح کر لیا۔ یہاں آخری مسلمان امیر (عبد العزیز) قسطنطنیہ قید کر کے بھیجدیا گیا اور یہیں اس کا انتقال ہوا۔ قسطنطنیہ اس وقت تک مسلمانوں کے قبضہ میں نہ آیا تھا اور بازنطینی حکومت کا پایۂ تخت تھا۔

اس کے بعد جب قسطنطنیہ کو لاطینیوں نے فتح کیا، تو کریٹ ۱۲۰۴ء میں (VENETANS) کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔

اس کے بعد جب ترکوں کی فتوحات وسیع ہوئیں تو ادھر بھی انہوں نے توجہ کی اور آخر کار اس جزیرہ بڑا حصہ ۱۶۶۹ء میں ترکوں کے قبضہ میں آگیا اور ۱۷۱۵ء تک پورا جزیرہ ان کی حکومت میں شامل ہو گیا۔ ہر چند اس جزیرہ کی مدافعت میں تمام مغربی حکومتوں نے حصہ لیا تھا۔ لیکن ترکوں کے مقابلہ میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔

اس جزیرہ میں ترکوں کے قبضہ کے وقت بالکل عیسائی آبادی پائی جاتی تھی۔ لیکن بعد کو فاتح قوم کا مذہب بھی بہت سے عیسائیوں نے اختیار کر لیا اور ان کا اقتدار اس قدر بڑھ گیا کہ حکومت بھی پریشان ہو گئی اور باوجود متعدد کوششوں کے ان کی بغاوتوں کو فرو نہ کر سکی۔

۱۸۳۰ء میں جب لندن کانفرنس نے یونان کی آزادی و خود مختاری کو تسلیم کیا تو خیال تھا کہ یہ جزیرہ بھی اسی کو دیدیا جائے لیکن ایسا نہیں ہوا اور محمد علی پاشا (حاکم مصر) کو دیدیا گیا۔ جسے ترکوں نے اپنی مدد کے لئے طلب کیا تھا۔ اس طرح ترکوں کا تعلق اس جزیرہ سے بدستور قائم رہا۔ لیکن مقامی بغاوتوں کا سلسلہ بھی اسی طرح جاری رہا اور بمشکل تمام کافی قربانیوں کے بعد ۱۸۶۸ء میں امن و سکون قائم ہو سکا۔

جب ۱۸۷۸ء میں جنگ روم روس ہوئی تو یہاں پھر بغاوت شروع ہو گئی اور سلف گورنمنٹ اس کو مل گئی، لیکن یہ تدبیر بھی مفید ثابت نہ ہوئی اور بدامنی کا دور دورہ برابر قائم رہا اور آخر کار دول یورپ نے مداخلت کر کے ترکوں کی حکومت کا یہاں بالکل خاتمہ کر دیا۔ ”نگار“

جناب ناظر صاحب تالیف و تصنیف کا سفارش نامہ

برائے توسیع اشاعت اُردو رسالہ ریویو آف ریلیجنز

برادران! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ریویو اُردو کے بارہ میں ایڈیٹر صاحب نے مجھ سے یہ خواہش کی ہے کہ مَیں اس کے متعلق احباب سے تحریک کروں کہ اس کی اشاعت کی توسیع کے لئے کوشش کی جائے۔ صحیح اور حقیقی کوشش جو کسی اخبار یا رسالہ کی توسیع اشاعت کے لئے کی جاسکتی ہے۔ وہ تو خود ایڈیٹر صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ یعنی یہ کہ وہ رسالہ میں ایسی ظاہری اور باطنی خوبیاں جمع کر دیں کہ وہ خود بخود لوگوں کی توجہ کا جاذب بن جائے۔ لیکن چونکہ ریویو کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے خاص تحریک ہوئی تھی۔ اس لئے مَیں بھی اس تحریک میں شامل ہو کر احباب سے یہ استدعا کرتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کو دوسرے رسالہ جات یا اخباروں کی طرح نہ سمجھیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد کے ماتحت اس کی اشاعت کے لئے خاص طور پر کوشش کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔ کیونکہ توسیع میں حصہ لینا صرف ایک مفید لٹریچر کی اشاعت ہی نہیں ہے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد کی تعمیل بھی ہے۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ اشاعت کے بڑھنے سے اس کی ظاہری اور باطنی خوبیوں میں بھی اضافہ کی صورت ہو جائے گی۔ اور ایڈیٹر صاحب اس کی طرف زیادہ توجہ دیکر اسے اس تعریف کا حقدار بنانے کی کوشش کرینگے۔ جن کی بناء پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے لئے خاص تحریک فرمائی تھی۔ فقط والسلام

مرزا بشیر احمد ناظر تالیف تصنیف

نوٹ ضروری: حضرت ناظر صاحب تالیف تصنیف کی سفارش کے احترام میں ہر مقام جماعتوں کے معتمدین مہربانی فرما کر رسالہ ریویو اردو کیلئے خاص تحریک فرمائیں اور جس قدر خریدار مہیا ہو سکیں انسے ہمیں براہ راست اطلاع دیں ایسے اصحاب کے نام خاص طور پر شکریہ کیساتھ شائع کئے جائینگے۔ اگر جماعت سے دو چار پُرجوش دوست کھڑے ہو جائیں اور عزم بالجزم کرلیں دس دس نئے خریدار پیدا کر دینگے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کا حامی و ناصر ہوگا۔ واللہ الموفق

خاکسار ایڈیٹر اردو ریویو آف ریلیجنز۔ قادیان دار الامان۔ پنجاب۔

ریویو آف ریلیجنز اردو - قادیان دارالامان - مورخہ ۵ - مئی ۱۹۳۷ء نمبر ۶ - رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۱۷۹

ڈابر (ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن) لمیٹڈ

صیغہ نمبر ۱۱۷ پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴ کلکتہ

پچاس برس سے زیادہ کا مشہور ولائتی دیسی پیٹنٹ دواؤں کا وسیع ہندوستانی کارخانہ

آنکھوں کی حفاظت کے لئے خاص توجہ درکار ہے

(STAR) TRADE MARK (REGD)
ستارہ ٹریڈ مارک

ممیرامی

(Regd)

(ممیرہ کا سرمہ)

یہ آنکھوں کے جملہ امراض مثلاً رتوندھی کا نزول۔ گوشت خورہ۔ پٹل۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جانا۔ آنکھیں چندھیانا۔ دھندلاپن۔ رات میں کم دکھائی دینا وغیرہ میں فائدہ کرتا اور مندرجہ بالا شکائتوں سے آنکھوں کو محفوظ رکھتا ہے۔

اس کے روزانہ استعمال سے ساری شکائتیں جاتی رہتی ہیں۔

نوٹ:۔ ہر جگہ ہمارے ایجنٹوں سے اور دواخانوں میں ملتی ہے دوا خریدتے وقت اسٹار ٹریڈ مارک۔ اور ڈابر نام ضرور دیکھ لیا کریں۔

پنجاب کے خاص خاص شہروں میں سول ایجنٹوں کی ضرورت ہے۔

(اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر نے چھاپکر قادیان سے مالکان کے لئے شائع کیا)